1413
Sikandar.

محمود تبریزی

1570

غلام محی الدین

۱۲۰۰
1836.

15/2/75

جان ہار

(الگزنڈر ڈیوما کے کیمیل سے ماخوذ)

قدسیہ زیدی

2235

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

بار اوّل ۵۰۰   قیمت ایک روپیہ ۳۷ ن

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر نئی دہلی

ALLAMA IQBAL LIBRARY
69369

...یدپریس دہلی

CHECKED
J & K UNIVERSITY LIB.
K DIVISION
Acc No 69369
Date 28.3.69

کردار

قیصر	نواب قیصر حسین ایک زمیندار
انا	زرینہ کی ملازمہ
لینو	ایک حسین کم عمر طوائف
زرینہ	لکھنؤ کی مشہور طوائف
الماس	ایک چنچل اور شوخ طوائف
منظور	ایک عاشق مزاج تعلقدار
پروین	ادھیڑ عمر طوائف، دوہرا جسم
نورالحسن	پروین کے دوست
جاوید	ایک خوبرو نوجوان

نوکر
مہمان
بڑے نواب صاحب
گوہر مرزا
حامد حسین نقوی
اکبر
حکیم
انیسہ

پہلا ایکٹ

(لکھنؤ میں زرینہ کا بالا خانہ۔ ۱۸۷۰ء کا زمانہ ہے۔ سردی کا موسم۔ انا چھوٹے سے تخت پر بیٹھی گوٹ ٹانک رہی ہے۔ قیصر مسند پر بیٹھا پان کھا رہا ہے۔ پاندان کے قریب قیصر کی کٹار رکھی ہے۔ دروازے پر دستک کی آواز)

قیصر : دروازے پر کوئی ہے!

انا : دربان دیکھ لے گا۔

قیصر : زرینہ ہونگی؟

انا : نہیں حضور، بیگم اتنی جلدی نہیں آئیں گی میرے خیال میں وہ تو گیار
کے بعد تشریف لائیں گی۔ اور ابھی تو دس بھی نہیں بجے۔

(مینو اندر آتی ہے)

انا : یہ تو مینو بیوی ہیں!

مینو : انا بی، زرینہ آپا ہیں؟

انّا : وہ تو جمی جم ہیں۔ کیا آپ کو ان سے کچھ کام تھا؟

مینو : نہیں، امراؤ جان سے ملنے گئی تھی۔ سوچا چلو آپا سے بھی ملتے چلیں، اب جب وہ گھر پر نہیں تو میں پھر آجاؤں گی۔

انّا : آپ تشریف رکھئے وہ آتی ہوں گی۔

مینو : اس وقت نہیں، گوہر مرزا نیچے کھڑے ہیں۔ ہاں یہ تو بتاؤ آپا کی طبیعت اب کیسی ہے؟

انّا : اب تو خدا کے فضل سے اچھی ہیں۔

مینو : آپا آئیں تو کہہ دینا میں آئی تھی۔ ایک دو دن میں پھر آؤں گی۔ خدا حافظ، انّا بی۔ (قیصر سے) آداب بجا لاتی ہوں، جناب عالی (جاتی ہے)

قیصر : کون تھی یہ لڑکی؟

انّا : اے حضور، یہ مینو بیوی ہیں۔

قیصر : مینو، کسی بلی کا نام معلوم ہوتا ہے!

انّا : سچ فرماتے ہیں سرکار۔ اِن کے چہرے کی بناوٹ کی وجہ سے اِن کا پیار کا نام مینو پڑ گیا ہے۔ یہ اور ہماری بیگم صاحبہ ایک ہی رئیس کے ہاں ملازم تھیں۔

قیصر : تو کیا زرینہ بھی ملازم تھیں؟

انّا : اللہ، سارے لکھنؤ کو تو معلوم ہے اور حضور کو معلوم نہیں!

قیصر : اچھی حسین لڑکی ہے!

انّا : از حد درجہ شریف۔

قیصر: اور وہ گوہر مرزا کون ہیں؟

انّا : کون گوہر مرزا؟

قیصر: وہی جو نیچے کھڑے اِن صاحبزادی کا انتظار فرما رہے تھے۔

انّا : وہ! وہ اِن کے شوہر ہیں۔

قیصر: شوہر؟

انّا : فی الحال نہ سہی سرکار۔ مگر عنقریب ہو جائیں گے۔

قیصر: تو یوں کہو نا کہ اِن کے عاشق ہیں۔ شریف لڑکی ہے تو کیا ایک آدھا عاشق رکھنے میں کوئی حرج نہیں!

انّا : اتنا کہہ سکتی ہوں کہ ایک کا دوسرے پر دم جاتا ہے۔ گوہر مرزا کسی دُ... عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ اگر دنیا میں کسی سے شادی کریں گے تو مینو سے۔ ایسی لڑکی بھی کم دیکھنے میں آتی ہے، حضور۔

قیصر: (اُٹھ کر انّا کے پاس آتا ہے) اجی بھاڑ میں ڈالو۔ میرا اپنا معاملہ ہی بہت بے ڈھب چل رہا ہے۔

انّا : سرکار سچ فرماتے ہیں۔

قیصر: کیوں انّا یہ زرینہ کی سراسر زیادتی نہیں کہ وہ ——— ؟

انّا : میں سمجھی نہیں حضور۔

قیصر: کہ وہ اُس کمبخت بڈھے راجہ دیپک پور کے پیچھے سب کو قربان کئے دے رہی ہیں؟

انّا : بیچارے راجہ صاحب کی زندگی میں لے دے کر یہی تو ایک سہارا ہیں

وہ تو بیگم صاحبہ کے باپ کی جگہ ہیں۔ حضور بالکل نہ سہی مگر قریب قریب باپ ہی سمجھ لیجئے۔

قیصر: اِس میں شک بھی کیا ہے اور جب اِس کی بڑی لمبی چوڑی اور دلگداز داستان ہو۔ مگر مجھ سے پوچھو۔

انّا: کیا سرکار؟

قیصر: ہمیں تو اِس کا یقین آتا نہیں۔

انا: قصور معاف سرکار۔ ہماری بیگم صاحب کے بارے میں سچے قصّے ہی کون سے کم ہیں کہ حضور کو کوئی نیا افسانہ دل سے گھڑنے کی ضرورت پیش آئے۔ قسم ہے عباس علمدار کی کہ بیوی کو آپ سے سچ جھوٹ کہنے کی کوئی حاجت نہیں۔ بیوی اِس کی پروا نہیں کرتیں کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ اب سے دو سال اُدھر اپنی بیماری کے بعد جب بیوی تبدیلی آب و ہوا کے لئے علاقے میں گئیں تو راجہ صاحب بھی اپنی بیمار بچی کو لے کر وہیں آکر ٹکے۔ اُس لڑکی کی صورت ہماری بیوی سے اِس قدر ملتی تھی کہ دیکھنے والوں کو اِن کے جڑواں ہونے کا شبہ ہوتا تھا۔ راجہ صاحب کے بس ایک وہی اولاد تھی۔

قیصر: غریب کا انتقال ہو گیا!

انا: سرکار۔

قیصر: اور پھر دل شکستہ راجا صاحب کو زرینہ کی بیماری، ان کی صورت اور جوانی میں بیٹی کی جھلک دکھائی دینے لگی۔ راجا صاحب نے زرینہ کو

اپنا وارث قرار دینے کی تمنّا ظاہر کی۔ اس پر زرینہ کو مجبوراً اپنا کچا چٹھا بیان کرنا پڑا۔ کیوں یہی بات ہے نا؟

انّا : بیوی کی عادت جھوٹ بولنے کی نہیں۔

قیصر : ظاہر ہے۔ اور چونکہ زرینہ اخلاقی طور پر راجکماری سے مشابہت نہیں رکھتی تھیں، راجا صاحب نے اپنا سب کچھ زرینہ کے قدموں میں لا ڈالا۔ صرف ایک شرط پر کہ وہ اپنا طرزِ زندگی بدل دیں۔ زرینہ اس پر رضامند ہو گئیں۔ مگر لکھنؤ واپس آتے ہی پھر اپنے پرانے ڈھرّے پر آ گئیں۔ جب راجا صاحب نے دیکھا کہ زرینہ نے معاہدے کا نصف حصّہ نظر انداز کر دیا تو انھوں نے عطیے کی رقم بھی آدھی کر دی۔ کیوں، ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ اور اسی وجہ سے زرینہ پر پچاس ہزار قرض ہے۔

انّا : جو حضور چکانے کو تیار ہیں۔ مگر بیوی کے خیال میں اوروں کا قرض آپ کے احسان سے بہتر ہے!

قیصر : کیوں نہ ہو۔ جب بڑے نواب صاحب جیسے رئیس ہر دم تورٹے ہوئے حاضر رہتے ہیں۔

انّا : اے توبہ ہے حضور۔ کس قدر بُرے ہیں آپ۔ جہاں تک راجا صاحب دیپک پور کا سوال ہے وہ تو ہے، پر بڑے نواب صاحب سے تو بیوی کی سرسری سی میل مّلت ہے۔

قیصر : اماں۔ یہ اُڑان گھائیاں کسی اور کو بتانا!

انّا : حضور معاف فرمائیں اِس قدر مُنھ پھٹ آدمی بھی اچھا نہیں ہوتا۔

(دستک) دروازے پر کوئی ہے۔ بیگم صاحب تشریف لے آئیں۔ جی میں
آتی ہے سرکار کی ساری باتیں اِن سے کہہ دوں۔

قیصر: اللہ ایسا غضب مت کرنا۔

زرینہ: (باہر سے) انّا، اے بی انّا۔ (اندر آ کر) ذرا باورچی سے تو کہہ دینا کہ
خاصے پر دو مہمان ہوں گے۔ منظور اور الماس آ رہے ہیں۔ مجھ سے ہیں
ملاقات ہو گئی تھی (قیصر کو دیکھ کر) اللہ آپ بھی تشریف فرما ہیں!

(مسند پر بیٹھ کر پان بناتی ہے)

قیصر: تو کیا میری تقدیر میں تمہارا انتظار بھی نہیں!

زرینہ: اور میری قسمت میں کیا صرف آپ کا دیدار لکھ دیا گیا ہے!

قیصر: زرینہ، جب تک تم اپنے گھر کے دروازے مجھ پر بند نہیں کر دو گی میں
آتا رہوں گا۔

زرینہ: یہی معلوم ہوتا ہے۔ کمبخت کوئی وقت ایسا نہیں کہ میں گھر میں آؤں او
آپ موجود نہ ہوں۔ فرمائیے کیا حکم ہے۔ لونڈی حاضر ہے!

قیصر: سب کچھ جان کر بھی انجان بنتی ہو۔

زرینہ: وہی پرانی رٹ۔ لاحول ولا قوۃ۔ کس قدر ایک سُرے ہیں آپ!

قیصر: محبت پر میرا کیا بس ہے، زرینہ؟

زرینہ: حضرت سنیئے۔ اگر میں اپنی محبت کا دم بھرنے والوں کی سُنتی رہوں تو یقین
جانئے کہ مجھے کھانا کھانے کی فرصت نہ ملے۔ میں سینکڑوں بار آپ سے
عرض کر چکی ہوں کہ آپ بیکار اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ کیا آپ کے

لئے یہ کافی نہیں کہ آپ جس وقت چاہتے ہیں یہاں تشریف لا سکتے ہیں، جب میں کہیں جاؤں تو یہاں بیٹھ کر میرا انتظار کر سکتے ہیں؟ اگر آپ نے اس کے بعد بھی اپنی رٹ جاری رکھی تو مجھے مجبوراً آپ کا آنا جانا بند کرنا پڑے گا۔

قیصر : تو پھر تم نے پچھلے سال مجھے امید کیوں دلائی تھی؟

زرینہ : حضرت، پچھلے سال کی بات پچھلے سال کے ساتھ ختم ہوئی۔ اس وقت میں تنہا اور افسردہ تھی، سخت بیمار تھی۔ مگر اب نقشہ دوسرا ہے۔ میں لکھنؤ میں ہوں، اچھی ہوں اور پھر تنہا و افسردہ نہیں۔

قیصر : یقیناً، آخر کیوں نہ ہو۔ راجہ صاحب کی چاہت کوئی معمولی بات ہے؟

زرینہ : احمق!

قیصر : اور پھر جب کسی کو بڑے نواب صاحب سے عشق ہو جائے۔

زرینہ : حضرت میں آزاد عورت ٹھہری جس سے چاہوں گی عشق کر دوں گی۔ کسی کو اس سے کیا مطلب اور جناب مجھ پر پابندی لگانے والے کون؟ اگر آپ کو کوئی قرینے کی بات نہیں کہنا ہے تو آپ تشریف لے جا سکتے ہیں۔ (قیصر ٹہلتا ہے) آپ جاتے ہیں یا نہیں؟

قیصر : نہیں۔

زرینہ : تو پھر واسطہ پنجتن کا بیٹھ جایئے اور کچھ بجایئے۔ بس ایک ہی تو ڈھنگ کی چیز آتی ہے آپ کو۔

قیصر : بیٹھ کر ستار اٹھاتا ہے۔ کیا بجاؤں؟ (انّا اندر آتی ہے)

زرینہ: کچھ بجائیے جو آپ کا جی چاہے (انّا سے) کھانے کا کہہ دیا؟

انّا : جی حضور۔

زرینہ: (قیصر کے قریب آکر) یہ آپ کیا بجا رہے ہیں؟ بڑی حسین چیز ہے

قیصر : زرینہ میری سالانہ آمدنی اسّی ہزار روپے ہے!

زرینہ: ہاں! میری ایک لاکھ (انّا سے) تم پروین کے ہاں ہو آئیں؟

انّا : حضور۔

زرینہ: کیا آج رات آئیں گی؟

انّا : حضور کہیں جا رہی تھیں، واپسی میں آئیں گی۔ مینو بی بی تشریف لائی تھیں

زرینہ: پھر چلی کیوں گئیں؟

انّا : حضور گوہر مرزا کی وجہ سے چلی گئیں۔

زرینہ: ننھی مینو!

انّا : سرکار، حکیم صاحب بھی تشریف لائے تھے۔

زرینہ: کچھ کہتے تھے؟

انّا : فرماتے تھے حضور کو بہت سا آرام کرنا چاہیے۔

زرینہ: بیچارے حکیم صاحب۔

انّا : اور سرکار یہ عطر کی شیشیاں حاضر ہیں۔

قیصر : بندے کا ہدیۂ عقیدت!

زرینہ: آپ کا عطیہ (دیکھتی ہے) عطر حنا، عطر گلاب، عطر سہاگ۔ انّا تم لے

قیصر : (ستار چھوڑ کر) تو کیا ذرا سا بھی نہیں لگاؤ گی؟

زرینہ: آپ کو خوب معلوم ہے کہ سوائے عطر کنول کے مجھے کوئی اور عطر پسند نہیں۔ مگر نہیں، جناب کو اصرار ہے کہ میں آپ کی پسند کے عطر ضرور استعمال کروں! مجھے بھاری خوشبوئیں سخت ناپسند ہیں۔ میرا جی متلانے لگتا ہے۔

قیصر: مگر یہ عطر تو بہت قیمتی ہیں!

زرینہ: ضرور ہوں گے، مگر مجھے ہلکی خوشبو کے عطر پسند ہیں۔ مجھے کسی اور قسم کے عطر کا تحفہ دینا بالکل بیکار ہے۔ اور اگر جناب کو یہ خیال ہو کہ آپ کی خاطر بندی اپنا مذاق بدل دیگی تو آپ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

قیصر: خرابی تقدیر اسی کو کہتے ہیں۔ تو اجازت دیجئے۔ (الماس اور منظور پیچھے پیچھے اور انّا آگے آگے آتے ہیں)

انّا: حضور الماس بیگم صاحبہ اور منظور حسین صاحب تشریف لائے ہیں۔

زرینہ: توبہ ہے الماس، میں تو سمجھی تم آج غوطہ دے گئیں۔

الماس: آپا یہ سب قصور منظور صاحب کا ہے جس جگہ بیٹھ گئے بیٹھ گئے۔

منظور: بندہ پرور، غلام تو صدا کا مجرم ہے اور وہ بھی اقبالی (قیصر سے) قیصر صاحب کہیے مزاج کیسے ہیں؟

قیصر: نوازش، کرم۔ خدا حافظ (جانے لگتا ہے)

منظور: اماں یہ کیا، کھانے کے وقت کہاں چلے! بیٹھئے حضرت!

زرینہ: نہیں۔ نہیں۔

منظور: (زرینہ سے) یہ تو بتاؤ اب تمہاری طبیعت کیسی رہتی ہے؟

زرینہ: اچھی ہے۔

منظور: بہت خوب، تو آج رات نشست کی ٹھہری۔ بہت لُطف رہے گا!

الماس: کیوں نہ رہے گا۔ جہاں آپ ہوں وہاں لُطف ہی لُطف ہے۔

منظور: الماس، تم بہت شریر ہو۔ دیکھتی نہیں میں کس قدر رنجیدہ ہوں، بیچارے قیصر کھانے پر نہیں رک رہے (زرینہ سے) مرغ کباب اور برانڈی گھر سے منگوائی ہے۔ بہت عمدہ برانڈی ہے۔ تمھیں بھی پسند آئے گی۔

الماس (آہستہ سے زرینہ سے کہتی ہے) اے میں نے کہا آپا، تم سے اتنا نہ ہوا کہ احمد کو مجھ سے ساتھ لِوالاتیں!

زرینہ: تم بھی تو وہیں تھیں تم کیوں نہ لِوالائیں انھیں ساتھ؟

الماس: اور منظور کا کیا کرتی؟

زرینہ: تو کیا منظور کو ابھی احمد کی عادت نہیں ہوئی!

الماس: اے خاک۔ اب اِس عمر میں یہ کیا سیکھتے۔ اِس عمر میں نئی عادتیں سیکھنا بہت مشکل ہے اور وہ بھی اچھی عادتیں!

زرینہ: (پکار کر) اے بی انّا۔ کھانا کس منزل پہ ہے؟

انّا: (اندر آتی ہے) حضور بس پانچ منٹ میں ہوا جاتا ہے۔ دسترخوان کہاں بچھے گا؟

زرینہ: یہیں لگادو۔ کیوں قیصر صاحب، آپ تشریف نہیں لے گئے؟

قیصر: بس جا رہا ہوں۔

زرینہ: (کھڑکی کھول کر آواز دیتی ہے) پروین!

الماس: کیا پروین یہیں کہیں پاس ہی رہتی ہیں؟

زرینہ: یہیں سامنے والے مکان میں۔ ہماری کھڑکیاں آمنے سامنے ہیں۔
بس گلی بیچ میں ہے۔ جب جی چاہتا ہے بلا لیتی ہوں۔

منظور: بھئی ایک بات تو بتاؤ، اب پروین کا ذریعۂ معاش کیا ہے؟

الماس: بٹوے سیتی ہیں۔

زرینہ: اور خاکسار اُن کی واحد خریدار!

الماس: خرید کر کبھی برتتے تو دیکھا نہیں۔

زرینہ: برتنے کے قابل کوئی چیز بھی ہو۔ اس قدر بھدّے بٹوے بناتی ہیں،
کہ توبہ بھلی۔ مگر عورت بُری نہیں۔ دوسرے غریب ضرورت مند ہے۔
(آواز دیکر) پروین!

پروین: (باہر سے) ابھی آتی ہوں۔

زرینہ: ارے بھئی انڈوں پر بیٹھی ہو؟ یہیں جو چلی آؤ!

پروین: کیسے آؤں؟

زرینہ: کیا مطلب؟

پروین: دو مہمان بیٹھے ہیں۔ وہ چلے جائیں گے تو آؤں گی۔

زرینہ: اُنھیں بھی لیتی آؤ۔ ایک ہی بات ہے۔ کون ہیں؟

پروین: ایک کو تو تم جانتی ہو، نورالحسن!

زرینہ: ہاں ہاں جانتی کیوں نہیں۔ اور دوسرے صاحب؟

پروین: نورالحسن کے ایک دوست۔

زرینہ: دونوں کو لے کر چلی آؤ (کھڑکی بند کر کے) افوہ کس قدر سردی پڑ رہی
(کھانستی ہے) اُٹھیئے قیصر صاحب، ذرا شمعیں تیز کر دیجئے۔ کبھی کوئی
کام بھی کیا کیجئے۔ منہ پھلائے پھرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ (قیصر شمعیں
درست کرتا ہے۔ نورالحسن اور جاوید اندر آتے ہیں۔ ایک ملازم در
پہلے آگے آگے ہے)

ملازم: حضور، نورالحسن صاحب، جاوید حسن صاحب نقوی اور پروین بیگم صاحبہ
تشریف لائے ہیں۔

الماس: افوہ رے ٹھاٹھ۔ یہاں مہمانوں کا تعارف فرنگیوں کے طریقے سے
کرایا جاتا ہے!

پروین: واہ ہم تو سمجھے تھے تمہارے ہاں شرفا بیٹھے ہوں گے!

منظور: پروین تو سدا کی تمیز دار ٹھہریں!

نورالحسن: بیگم صاحبہ آپ کے مزاج کیسے ہیں؟

زرینہ: حضور کی نوازش اور مزاج عالی!

پروین: پیا جان عالم کے دربار کی زبان بولی جا رہی ہے!

زرینہ: کیوں نہیں، نورالحسن تو اب بہت دُنیادار ہو گئے ہیں۔ دوسرے
کہ امجد میری آنکھیں نوچ لیں اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ نورالحسن مجھ سے
غیر درباری زبان میں بات کرتے ہیں۔

نورالحسن: استغفراللہ کہاں آپ کی آنکھیں اور کہاں امجد کے ہاتھ!

پروین: بس ختم کرو اپنی لن ترانیاں۔ زرینہ بھئی جاوید حسین نقوی سے ملو (جاوید اور زرینہ ایک دوسرے کو تسلیم کرتے ہیں) لکھنؤ میں جتنے تمہارے چاہنے والے ہیں، نقوی صاحب اُن سب سے بازی لے گئے ہیں۔

زرینہ: (پروین سے) بھئی تم تینوں بھی تو کھانا یہیں کھاؤ گے (جاوید کی طرف دیکھ کر) صرف غم ہی کھاتے ہیں یا کھانا بھی کھائیں گے؟ تشریف رکھیے نقوی صاحب۔ (دونوں بیٹھ جاتے ہیں)

منظور: (نورالحسن سے) واللہ، اِس وقت آپ سے مل کر طبیعت بہت خوش ہوئی چشم بد دور۔

نورالحسن: اب آپ بھی تو سدا بہار ہیں۔ ماشاءاللہ بڑھاپے میں بھی جوان ہی ہیے۔

منظور: کیوں نہ ہو!

نورالحسن: (رازداری کے لہجے میں) آپ کے پروانوں کا کیا حال ہے؟

منظور: (پروین کی طرف اشارہ کرکے) خود دیکھ لیجئے۔

نورالحسن: مبارک ہو۔

منظور: میں تو آج یہاں آتے ہوئے تھرّا رہا تھا کہ کہیں ابیلی خانم یہاں نہ ہوں۔ ورنہ تو آفت ہی آجاتی۔

نورالحسن: اے حضور۔ سچ پوچھیے تو وہ بھی آپ کی عاشقِ صادق۔ پڑانہ۔ جانتا

منظور: ذرا ایں چہ شک۔ ایسی عاشق کے صادق ہونے میں شبہ کیسے ہو سکتا ہے غریب جبراً و قہراً ایک مالدار نوجوان سے ملتی تھیں (ہنستا ہے) اور میری عاشقی میں وہ نوجوان ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ مجھ پر وہ دم دہوش

دیوانی تھیں بھلا مجھے کیسے چھوڑ سکتی تھیں۔ اچھی خاصی دل لگی رہی اور مشکلات روز بروز بڑھتی ہی گئیں۔ کبھی یہ حکم کہ کپڑوں کے بکس میں دبک کر بیٹھے رہو۔ کبھی یہ حکم کہ گلی میں کھڑے انتظار کی گھڑیاں گنتے رہو۔ رقیب روسیاہ نہ ہوا ملک الموت ہوگیا۔

نورالحسن: یہ آنکھ مچولی تو جناب کے گٹھیا کے لئے بہت مضر ثابت ہوتی ہوگی؟

منظور: اماں وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ آخر جوانی کب تک ساتھ دیتی۔ اب قیصر کو ہی دیکھ لو، انھیں دیکھ کر بڑی کوفت ہوئی واللہ۔ "پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں"

نورالحسن: (زرینہ سے) منظور صاحب بھی کمال کے انسان ہیں۔

زرینہ: آج کل کے بوڑھے ضعیف نہیں ہوتے۔

منظور: (الماس جاوید کا تعارف کراتی ہے) تسلیم۔ آپ حامد حسین صاحب نقوی کے کچھ عزیز ہیں؟

جاوید: بندہ پرور وہ میرے والد ہیں۔ کیا آپ انھیں جانتے ہیں؟

منظور: میاں صاحبزادے ہماری اُن کی بڑی پرانی میل ملت ہے۔ راجا صاحب میرپور کے ہاں اکثر ملاقات ہوتی تھی۔ اُن دنوں آپ کی والدہ کچھ علیل تھیں، اب کیسی ہیں؟

جاوید: انھیں انتقال کئے تو تین سال ہونے کو آئے۔

منظور: اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کو تو اس ذکر سے بھی صدمہ ہوتا ہوگا معاف فرمایئے مجھے اس سانحے کا علم نہ تھا۔

جاوید: نہیں نہیں آپ مرحومہ کا ذکر مجھ سے ہمیشہ کر سکتے ہیں عظیم اور پاک محبت کا یہی تو حسن ہے کہ ایسی محبت بذاتِ خود خوش آئند ہوتی ہے، اور اس کی یاد اس سے بھی زیادہ خوش آئند۔

منظور: کیا آپ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں؟

جاوید: جی نہیں میری ایک ہمشیرہ بھی ہیں

زرینہ: (نورالحسن سے کہتی ہے) تمہارے دوست بہت خوبرو انسان ہیں۔

نورالحسن: خوبرو اور تم پر پروانہ وار عاشق۔ بولو پروین ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟

(پروین سنتی نہیں۔ اناّ شراب کی صراحی اور گلاس لاتی ہے)

زرینہ: پروین!

پروین: کیا بات ہے؟

نورالحسن: میں ابھی زرینہ کو بتا رہا تھا کہ جاوید ان پر دم دیتے ہیں۔

پروین: واللہ دم جاتا ہے تم پر ان کا۔ مگر اظہارِ محبت کی ہمت نہیں غریب کو۔

زرینہ: (قیصر سے جو ابھی تک ستار بجا رہا تھا) خدا کے واسطے قیصر ستار بجانا بند کر دیجیے۔

قیصر: اماں خود ہی تو فرمائش کر کے بجواتی ہو۔

زرینہ: ہاں ہاں اسی وقت تو بجواتی ہوں جب میں اکیلی ہوتی ہوں۔ مگر مہمانوں کے سامنے تو نہیں (سب شراب پیتے ہیں جاوید نہیں پیتا)

پروین: زرینہ، جاوید صاحب کا عشق دو سال سے چل رہا ہے۔

زرینہ: پھر تو پرانے پاپی ہوئے یہ حضرتِ عشق۔

پروین: یہ جناب بہروں بیٹھے مینو اور گوہر مرزا سے تمہارا ذکر سنا کرتے ہیں۔

زرینہ: (ہنس کر) "ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے"!

نورالحسن: اب سے دور تیورے سال جب تم صاحبِ فراش تھیں، تو جاوید بلاناغہ تین مہینے تک تمہاری عیادت کو تمہارے گھر آتے رہے تھے۔ شاید تمہیں خیال ہو کہ ایک نوجوان تمہاری مزاج پرسی کو آتا اور نام بتائے بغیر چلا جاتا تھا!

زرینہ: ہاں ہاں مجھے خوب یاد ہے۔

نورالحسن: وہ یہی تو تھے۔

زرینہ: خوب!! (پکار کر) نقوی صاحب۔

جاوید: بیگم صاحبہ

زرینہ: آپ نے سُنا یہ صاحبان آپ پر کیا کیا الزام لگا رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تیورے سال میری علالت کے دوران میں آپ میری عیادت کو بلاناغہ آتے رہے!

جاوید: جی ہاں۔

زرینہ: تو کم از کم اب تو شکریہ قبول فرمائیے۔ سُنا قیصر صاحب! آپ کو کبھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ آپ چوتھے پانچویں ہی میری مزاج پرسی کو چلے آتے!

قیصر: میں صرف ایک سال سے ہی تو تمہیں جانتا ہوں۔

زرینہ: اور نقوی صاحب ابھی پانچ منٹ ہوئے مجھ سے پہلی بار ملے ہیں۔ آپ کو تو لبس کا واک باتیں آتی ہیں (انا اور دو اور ملازم دسترخوان

چلتے ہیں)

پروین: آیئے آیئے کھانا کھایئے۔ میری تو آنتیں سوکھ گئیں۔

قیصر: ہم چلتے ہیں۔ خدا حافظ زرینہ۔

زرینہ: پھر کب آئے گی تشریف؟

قیصر: جب آپ چاہیں گی۔

زرینہ: بہت اچھا۔ تو خدا حافظ۔

قیصر: (سب کو تسلیم کرتا ہے) خدا حافظ (جاتا ہے)

الماس: بیچارے قیصر حسین۔

نورالحسن: زرینہ جاوید کی کچھ تواضع نہیں کرو گی۔ "بیٹھے رہیں گے یوں ہی
ترے بادہ خوار کیا"

زرینہ: آیئے آیئے نقوی صاحب۔ میرا جام صحت پیجئے (جاوید کو جام دیتی ہے)

سب: زرینہ زندہ باد (سب پیتے ہیں)

پروین: بھئی زرینہ بُرا نہ مانو تو ہم ایک بات کہیں۔ تم نگوڑے قیصر پہ بڑی
زیادتی کرتی ہو۔

زرینہ: کیا بتاؤں، اس شخص نے کیسا میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ ایسا لیچڑ انسان
میں نے تو کبھی دیکھا نہیں۔ بس یہی رٹ ہے کہ میں ان کی تنخواہ دار ہو جاؤں۔

الماس: تو آخر تمہیں یہ رٹ ناگوار کیوں ہے۔ کاش یہ سودا قیصر مجھ سے کر لیں۔

منظور: (الماس سے) میری جان سودے کی بات تو ہم بھی سنیں گے۔ یہ ہمارے
کام کی بات ہے۔

الماس: حضرت پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ میں آپ کی جان کب سے ہو گئی جم
آٹھ دن کی دوستی اور اس پر یہ بے تکلفی!

زرینہ: آؤ آؤ کھانا کھاؤ۔ چھوڑو اتنا جھگڑا اچھا نہیں۔ صلح کی گنجائش ر

الماس: (زرینہ سے) اے آپا تمہیں میرے سر کی قسم جانتی ہو ان حضرت نے میر
سالگرہ پر کیا دیا؟ (سب کھانا کھانے دسترخوان پر بیٹھتے ہیں)

زرینہ: کس نے؟

الماس: منظور نے۔

زرینہ: کیا دیا؟

الماس: ایک عدد بگھی۔

منظور: بہترین بگھی۔

الماس: بس بگھی ہی بگھی تو ہے اور گھوڑے ندارد۔ کسی بھاؤ گھوڑے دی
تیار نہیں۔

پروین: بلا سے بگھی تو ہے۔

منظور: انہہ تمہیں کیا خبر اسی بگھی میں میرا دیوالہ پٹ گیا۔ ہم تو یہ کہتے ہیں
تم تو بس ہیں ہماری خاطر چاہو۔ گھوڑوں کی خاطر نہیں۔

الماس: یہ روگ کوئی اور پالتا ہوگا حضرت، بندی کے بس کا تو ہے نہیں

پروین: (ایک ڈونگے کی طرف اشارہ کر کے) اے یہ کون مر گیا ہے؟

نورالحسن: بٹیریں ہیں۔

الماس: ذرا ہمیں بھی ایک دینا۔

نورالحسن: اللہ اللہ ایک وقت میں صرف ایک بٹیر نوش جان کرتی ہیں۔ نفاست کام و دہن اسی کو کہتے ہیں میرے خیال میں تو پروین ہی منظور کو دیوالیہ کرنے کی ذمہ دار معلوم ہوتی ہیں۔

پروین: اے سبحان اللہ۔ بار و گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ حضرت ہمارے زمانے میں شرفا عورتوں سے ایسی باتیں نہیں کیا کرتے تھے۔

نورالحسن: لو اب شروع ہوا پیا جانِ عالم کے دربار کا حال۔

زرینہ: سُن لیجئے آپ کے کون سے کان گھس جائیں گے۔

نورالحسن: فرمائیے پروین بیگم۔

پروین: بھئی کھانا ہوئے تو پھر گانے کی صحبت جمنی چاہیئے ورنہ کھانے کا لُطف جاتا رہتا ہے۔

نورالحسن: کھانے کے فوراً بعد گانا یوں اور بھی لازمی ہو جاتا ہے کہ پیا جانِ عالم کے دربار کا دستور یہی تھا۔ کیوں پروین؟ اماں ایک بات تو بتا دو دربار میں تمھارے کتنے چاہنے والے ہوں گے؟

پروین: اے شانِ خدا تو دیکھو۔ ہمیں اور آپ چٹکیوں میں اڑائیں۔ بھلا میرے چاہنے والوں سے آپ کو کیا مطلب؟

نورالحسن: اماں آپ کے گانے کی فرمائش سے دربار یاد آیا۔ دربار سے ظاہر ہے خیال آپ کے چاہنے والوں کی جانب گیا۔ ہاں تو پروین بیگم گانا ضرور ہونا چاہیئے یہی بات تو ہے۔

زرینہ: بھئی پروین کی خوشی سہی چلو وہاں بیٹھ کر گانا سنیں گے۔

الماس: سنیں گے چہ معنی یوں کہیے سنائیں گے۔

نورالحسن: اماں دل کی بات کہی تم نے۔

منظور: عرضداشت پر ہمارا نام بھی لکھ لیا جائے۔ پھر تو زرینہ ضرور سنائینگی

زرینہ: اچھا تو ایک شرط ہے کہ چیز میں اپنی پسند کی گاؤں گی۔

سب: منظور۔ منظور۔

پروین: غالب سنائیں گی۔ جاوید ان کے عاشق ہیں اور یہ غالب کی۔

زرینہ: عرض کرتی ہوں ؎

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

منظور: واللہ کیا بات کہی ہے۔

زرینہ: آداب:

عاشقی صبر طلب اور تمنّا بیتاب
دل کا کیا حال کروں خون جگر ہونے تک

الماس: کیا کہنا ہے آپا کی آواز کا معلوم ہوتا ہے کوئل کوک رہی ہے۔

منظور: دل و جگر دونوں پر اثر کرتی ہے۔

زرینہ: ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

نورالحسن: واہ واہ!

زرینہ: غمِ ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

جاوید: بڑا حسین شعر ہے۔
نورالحسن: شعر کے حسین ہونے میں کیا شک ہے۔ مگر پروین اِس سے بھی زیادہ حسین ہیں۔
منظور: حسین اور وزن دار۔
الماس: اے اللہ رکھے کیوں نہ وزن دار ہوں، پچاس برس سے یہ سلسلہ جاری ہے۔
پروین: تم پہ علی کی سنوار تمھارے خیال میں میری عمر پچاس کی ہے؟
الماس: نہیں نہیں۔ خدا نظر بد سے بچائے یہی کوئی دو بیسی اور دس کی ہوگی۔
پروین: اے ذرا سُنے تو کوئی اِن حرافہ کی باتیں۔ قسم ہے امام حسینؑ کی پچھلے سال میری پینتیسویں گرہ پڑی تھی۔
نورالحسن: لیجئے لیجئے چھتیس کی تو آپ باتوں باتوں میں ہو گئیں۔ اُس پہ خدا کی مار جو یہ کہے کہ تم پچاس سے ایک دن بھی زیادہ ہو۔
پروین: یک نہ شد دو شد۔ یعنی آپ بھی لگے بہکنے۔ یہ الماس تو یوں ہی تتابے لگایا کرتی ہے۔
زرینہ: کیوں منظور صاحب آج اپنے گانے سے محروم ہی رکھیے گا۔
الماس: واہ گائیں گے کیسے نہیں!
منظور: ذرا نزلے کی تحریک سی ہے۔ آج معافی چاہتا ہوں۔
پروین: نہیں گاتے تو نہ گائیں۔ جاوید صاحب آپ سنا دیجئے نا کوئی چیز۔
زرینہ: تو کیا جاوید یہ شوق بھی کرتے ہیں؟

الماس: صاحبان غور فرمائیں کہ زرینہ آپا ابھی سے نقوی صاحب کو جا
پکار رہی ہیں۔

نورالحسن: بھئی گڑبڑاؤ نہیں گانا سننے دو۔

الماس: آئیے نقوی صاحب ہم آپ کی سنگت کریں۔

زرینہ: لاؤ طنبورہ ادھر دو۔ کہیئے کیا چیز سنائیں گے!

جاوید: جو آپ حکم دیں۔

زرینہ: کوئی دلگداز چیز۔ اپنی پسند کی۔

جاوید:
میرے سر سے تری دیوار کا سایہ نہ گیا
میں تو کمبخت یہیں تھا کہیں آیا نہ گیا
کاؤ کاؤ مژہ یار و دل نزار و نزار
گتھ گئے ایسے شتابی کہ چھڑایا نہ گیا
دل جو دیدار کا قاتل کے بہت بھوکا تھا
اس ستم کشتہ سے اک زخم بھی کھایا نہ گیا

نورالحسن: ہائے ہائے۔

جاوید: (زرینہ کی طرف دیکھ کر یہ شعر پھر گاتا ہے)

الماس: اچھا تو یہ بات ہے۔

زرینہ: (پڑھتی ہے)

زیر شمشیر ستم میر تڑپنا کیسا
سر بھی تسلیم محبت میں ہلایا نہ گیا

جاوید: (گاتا ہے) زیرِ شمشیر —

پروین: کیا خوب بات کہی ہے!

الماس: کیسی خوبصورت آواز ہے۔ بلائیں لینے کو جی چاہتا ہے۔

منظور: اماں لطف آگیا اِس وقت۔ کیوں زرینہ کیا خیال ہے۔ تم چپ کیوں ہو!

نورالحسن: (زرینہ کی طرف دیکھ کر)

پکارتی ہے خموشی میری فغاں کی طرح
نگاہیں کہتی ہیں سب رازِ دل زباں کی طرح

الماس: اللہ اب ہماری پسند کا ایک آدھ دادرا ہو جاتا۔

پروین: بھئی بسم اللہ کرو۔ تم سے بہتر دادرا لکھنؤ میں اور کون گا سکتا ہے!

نورالحسن: ہمیں بھی اتفاق ہے۔ مگر بھاؤ بتا کر گانا ہوگا۔

الماس: اوئی اللہ توبہ میں نگوڑی تو فرمائش کر کے گنہگار ہوگئی۔

زرینہ: اب تو گانا ہی پڑے گا۔

نورالحسن: (ساز چھیڑتا ہے الماس الاپتی ہے) چلیے۔

الماس: ہمارا جیا ہو بھاں باجے مُرلیا (بھاؤ بتاتی ہے سارا مجمع جھومتا ہے)

منظور: کیا تیکھی چتون ہے (زرینہ کھانستی ہے گانا بند ہو جاتا ہے)

نورالحسن: کیوں کیا بات ہے زرینہ؟

زرینہ: کچھ نہیں ذرا سانس رک رہی ہے۔ (تکلیف سے سانس لیتی ہے)

جاوید: بیگم صاحبہ آپ کی طبیعت ناساز ہے؟

زرینہ : نہیں نہیں۔ الماس تم گاؤ رک کیوں گئیں (کھانستی ہے)
منظور : (طنبورہ چھیڑتا ہے) گاؤ الماس۔
جاوید : خدا کے واسطے باجہ بند کرو۔
پروین : زرینہ کی طبیعت بگڑ رہی ہے۔
زرینہ : (مشکل سے) ذرا سا پانی دینا۔
جاوید : (جلدی سے پانی لاتا ہے) پانی حاضر ہے۔
پروین : زرینہ کچھ بتاؤ تو سہی کیا بات ہے!
زرینہ : (پانی کا ایک گھونٹ پی کر) وہی روز کا قصہ۔ کوئی نئی بات ہو تو بتاؤں بھی۔ آپ سب صاحبان دوسرے کمرے میں جا کر پان وان کھائیے میں ابھی آئی۔
پروین : چلئے تو چلئے سب صاحبان دوسرے کمرے میں چلئے۔ دورے کے وقت زرینہ تنہا رہنا پسند کرتی ہیں۔ (نورالحسن اور جاوید کھڑے ہو جاتے ہیں)
زرینہ : معاف فرمائیے میں ابھی آتی ہوں۔
پروین : چلئے چلئے (ایک طرف کو) یہاں تو سدا ہی رنگ میں بھنگ ہوئی۔
جاوید : بیچاری زرینہ (سب چلے جاتے ہیں زرینہ اکیلی رہ جاتی ہے)
زرینہ : (سانس لینے کی کوشش کرتی ہے) آہ (دیوار میں لگے ہوئے آئینے میں دیکھ کر) جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ (دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیتی ہے)

جاوید: (اندر آتا ہے) بیگم صاحبہ اب کیسی ہے طبیعت؟

زرینہ: کون، جاوید صاحب! اب اچھی ہوں شکریہ۔

جاوید: آپ اپنے آپ کو مارے ڈال رہی ہیں۔ اے کاش میں آپ کا عزیز یا دوست ہوتا۔ تا کہ آپ کی دیکھ بھال کر سکتا!

زرینہ: آپ کامیاب نہ ہو پاتے (آنسو دیکھ کر) یہ کیا، آپ رو رہے ہیں؟

جاوید: (آبدیدہ ہو کر) مجھ سے نہیں دیکھا جائے گا۔

زرینہ: اللہ آپ کس قدر رحمدل ہیں۔ دوسروں کو دیکھئے جو خاک بھی پروا ہو۔

جاوید: اُنھیں میری طرح آپ سے محبت نہیں۔

زرینہ: (ہنس کر) اے ہاں سچ تو ہے۔ یہ تو میں بھول رہی تھی۔

جاوید: آپ کو یہ بات مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے؟

زرینہ: واللہ و باللہ میں زندگی میں یہ بات اتنی بار سُن چکی ہوں کہ اب تو مضحکہ خیز بھی معلوم نہیں ہوتی۔

جاوید: آپ کو اختیار ہے۔ مگر اپنی محبت کے معاوضے میں آپ سے ایک وعدہ چاہتا ہوں۔

زرینہ: وعدہ!

جاوید: جی وعدہ، کہ آپ اپنی دیکھ بھال کریں گی۔

زرینہ: دیکھ بھال، کیا یہ ممکن ہے؟

جاوید: کیوں نہیں؟

زرینہ: میاں صاحبزادے، اگر میں اپنی دیکھ بھال کروں گی تو جی نہ سکوں گی۔

میری زندگی کی تیز رفتاری ہی تو مجھے زندہ رکھے ہوئے ہے۔ اپنی دیکھ بھال صرف وہ عورتیں کر سکتی ہیں جو عزت دار ہوں، گھر بار والی ہوں، عزیز و اقارب رکھتی ہوں۔ دیکھ بھال کا تعیش تو صرف اُن ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ ہم لوگ اگر تیز رفتاری سے نہ چلیں مردوں کی خواہشات کو پورا نہ کریں اور اِن کے اشاروں پر ناچنے کو تیار نہ ہوں تو ہم کوڑے پر پھینک دئے جائیں اور ہماری زندگی میں لمبے لمبے دن اور ان سے زیادہ لمبی لمبی خاموش بھیانک راتوں کا اوٹ سلسلہ شروع ہو جائیگا پھر اُن خاموش فضاؤں میں سے کوئی ہم سے یہ کہے گا اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو۔ یہاں اب کوئی نہیں آئے گا۔ پچھلے دنوں کی بات ہے کہ میں تین مہینے بیمار رہی۔ یقین مانیے گا کہ دو تین ہفتے کے بعد کوئی یہ پوچھنے والا نہ تھا کہ تمہارے منہ میں کے دانت ہیں بس میں تھی اور میری تنہائی۔

جاوید: مجھے معلوم ہے کہ آپ کی زندگی میں میری کوئی اہمیت نہیں۔ لیکن زرینہ کیا آپ مجھے اجازت دیں گی کہ میں آپ کی دیکھ بھال کروں۔ جب تک کہ آپ بالکل تندرست نہ ہو جائیں۔ اُس کے بعد اگر آپ کا جی چاہے تو پھر یہی زندگی اختیار کر لیجیے گا۔ گو مجھے تو یقین ہے کہ آپ نسبتاً پُرسکون اور منظم زندگی کو ترجیح دیں گی۔

زرینہ: میرے خیال میں آپ شراب کے اثر سے جذباتی ہو رہے ہیں!

جاوید: زرینہ معلوم ہوتا ہے آپ کے سینے میں دل نہیں۔

زرینہ: دل! یہی ایک چیز تو میری موت کا باعث ہو سکتی ہے (وقفہ) مگر آپ کا
مرض مجھے تشویشناک معلوم ہوتا ہے۔

جاوید: نہایت تشویشناک!

زرینہ: تو پھر پروین جو کچھ کہہ رہی تھی وہ سچ ہے کہ آپ بہت جذباتی انسان ہیں تو کیا آپ واقعی میری دیکھ بھال کریں گے؟

جاوید: جی۔

زرینہ: اور دن رات میرے پاس رہیں گے؟

جاوید: جی۔ جب تک آپ مجھ سے تھک نہ جائیں۔

زرینہ: اور اسے کیا کہتے ہیں؟

جاوید: خلوص۔

زرینہ: اِس خلوص کی وجہ؟

جاوید: وہ بے پناہ کشش جو مجھے آپ کی جانب کھینچتی ہے۔

زرینہ: یہ کب سے؟

جاوید: دو سال سے۔ جب ایک دن ایک حسین، سربلند مجسمہ مسکراتا ہوا میرے پاس سے گزرا اور میرا دل اپنے ساتھ لیتا ہوا نکل گیا۔ اُسی روز سے میں نے اُس بُت کی پرستش شروع کر دی۔ مگر دور ہی دُور سے۔

زرینہ: مجھے بتا تو دیا ہوتا۔

جاوید: کیسے بتاتا، میری آپ کی جان پہچان تک تو تھی نہیں۔

زرینہ: کیوں۔ میری بیماری کے دوران آپ روز میری مزاج پُرسی کو آتے رہے

تو بھلا اندر آنے میں کیا چیز مانع تھی؟

جاوید: مجھے کیا حق تھا کہ میں آپ کے گھر میں یوں گھسا چلا آتا!

زرینہ: واللہ حق کی بھی ایک ہی کہی۔ مجھ جیسی عورتوں پہ تو سبھی کا حق ہوتا ہے بھلا ہم سے یہ وضعداریاں کون برتتا ہے!

جاوید: ہر عورت کے ساتھ وضعداری برتی جاتی ہے۔ مگر دراصل مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں آپ میری سادی زندگی پہ نہ چھا جائیں۔

زرینہ: معلوم ہوتا ہے آپ کو واقعی مجھ سے محبت ہے (ہنستی ہے)

جاوید: اگر میں اس کا اقرار بھی کرنا چاہوں تو یہ وقت اس کے لئے مناسب نہیں ہے۔

زرینہ: اقرار آپ ہرگز نہ کیجئے گا۔

جاوید: کیوں؟

زرینہ: اس کے دو ہی نتیجے ہو سکتے ہیں۔ پہلا تو یہ کہ میں آپ کا یقین نہیں کروں گی تو آپ کو مجھ سے بیکار شکایت پیدا ہو گی۔ دوسرا نتیجہ یہ ہو گا کہ میں یقین کر لوں گی تو آپ کی زندگی سراپا غم بن جائے گی مجھ سی بیمار ہول دلی اور غمگین عورت جو اس شادمانی سے مسرور ہے جو غم سے زیادہ غمگین ہے۔ وہ عورت جو ایک لاکھ روپے کی کثیر رقم سالانہ پانی کی طرح بہا دیتی ہے۔ ایسی عورت کی سنگت راجوں نوابوں کے لئے ٹھیک ہے مگر آپ کے لئے نہیں۔ آپ جوان ہیں۔ آپ کے لئے میری دوستی وبالِ جان ہو جائے گی ——— پھر ہم تو بیکار کے مسئلوں پر گفتگو کرنے لگے۔

آیئے میرا ہاتھ تھامیے میں اُٹھوں۔ چلیئے دوسرے کمرے میں چلیں۔

(جاوید زرینہ کا ہاتھ تھام کر اٹھاتا ہے) نہ جانے وہ سب کیا سمجھ رہے ہوں گے!

جاوید: آپ تشریف لے جائیے میں نہیں جاؤں گا۔

زرینہ: کیوں؟

جاوید: آپ کی شادمانی سے مجھے دُکھ ہوتا ہے۔

زرینہ: میں آپ کو ایک مشورہ دوں؟

جاوید: ضرور۔

زرینہ: آپ یہاں سے چلے جائیے جو کچھ آپ نے مجھے ابھی بتایا ہے اگر وہ سچ ہے تو للّٰہ فوراً چلے جائیے یا پھر راجبی سے مراسم رکھیئے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ لگا ہے بکا سب تشریف لائیے۔ بیٹھیئے۔ باتیں کیجئے مگر خدا کے واسطے میری قدر و قیمت کو بڑھا چڑھا کر مت جانچئے میں اس کی ہرگز مستحق نہیں۔ آپ کے سینے میں ایک بیش قیمت دل ہے۔ آپ کو محبت کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ آپ کم سن ہیں، حساس ہیں میری دنیا آپ کے قابل نہیں۔ جائیے کسی اور قسم کی عورت سے محبت کیجئے۔ اُس کو اپنی رفیقۂ حیات بنائیے۔ جاوید صاحب میں صاف، گو عورت ہوں۔ آپ سے صفائی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ قسمت بُری سہی پر طبیعت بُری نہیں۔ کہاں آپ کہاں میں۔ زمین آسمان کا کیا پیوند!

پھوپھی: (دروازے میں سے) یہ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟

زرینہ: ذرا دو چار سمجھ کی باتیں۔ تم جاؤ ہم ابھی آتے ہیں۔

پروین: کئے جاؤ باتیں روکتا کون ہے (دروازہ بند کر دیتی ہے)

زرینہ: تو پھر بس ——— یہ طے ہوا کہ آپ مجھ سے محبت نہیں کریں گے۔

جاوید: مجھے آپ کا مشورہ منظور ہے۔ میں چلا جاؤں گا۔

زرینہ: تو کیا واقعی معاملہ اِس درجہ خطرناک ہے؟

جاوید: جی۔

زرینہ: بہت سے لوگ چلے جانے کی دھمکی دیتے ہیں مگر جاتے نہیں۔

جاوید: کیونکہ آپ اُنھیں جانے نہیں دیتیں۔

زرینہ: نہیں ایسا نہیں ہے۔

جاوید: تو کیا آپ کو اُن میں سے کسی سے محبت نہیں ہوئی؟

زرینہ: اللہ کا شکر ہے میں اِس کی گنہگار نہیں ہوئی۔

جاوید: شکریہ۔ ہزار بار شکریہ۔

زرینہ: کاہے کا شکریہ؟

جاوید: جو کچھ مجھے آپ نے ابھی بتایا اُس کا شکریہ۔ دنیا کی کوئی اور چیز میرے لئے اِس درجہ باعثِ مسرت نہ ہوتی۔

زرینہ: کس قدر سادہ لوح ہیں آپ۔

جاوید: اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ بعض اوقات میں ساری ساری رات آپ کی کھڑکی کے نیچے کھڑا رہا ہوں۔ اور مہینوں میں نے آپ کی قمیص کا ایک ٹوٹا ہوا بٹن اپنے پاس رکھا ہے تو ———

زرینہ: تو مجھے ہرگز بھی یقین نہیں آئے گا۔

جاوید: آپ سچ کہتی ہیں ۔۔ یقین آنے کی بات بھی تو نہیں۔ میرے خیال میں میرا دماغ چل گیا ہے۔ میرا صرف ایک علاج ہے کہ میری ہنسی اڑائی جائے تو پھر خدا حافظ (جانے لگتا ہے)

زرینہ: جاوید!

جاوید: جی کیا آپ مجھے واپس بلا رہی ہیں؟

زرینہ: نہیں واپس نہیں بلا رہی ۔ مگر آپ کبیدہ خاطر ہو کر نہ جائیے۔

جاوید: میں اور آپ سے کبیدہ خاطر، کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے؟

زرینہ: کیا آپ نے ابھی جو کچھ مجھے بتایا ہے اس میں شمہ برابر بھی صداقت ہے؟

جاوید: آپ کو مجھ سے یہ سوال نہ پوچھنا چاہیئے۔

زرینہ: بہت خوب ـــــ تو خدا حافظ، پھر تشریف لائیے ۔۔۔۔ اکثر۔۔۔۔ اس کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

جاوید: بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے۔

زرینہ: فرمائیے لونڈی حاضر ہے، معلوم ہوتا ہے میرے ذمّے ابھی کچھ اور قرض ہے۔ آپ حکم کریں میں چکانے کو تیار رہوں۔

جاوید: للہ زرینہ اِن باتوں کو ہنسی میں مت ٹالئے۔

زرینہ: کون ہنس رہا ہے!

جاوید: ایک بات پوچھوں زرینہ؟

زرینہ: کیا؟

جاوید: کیا آپ کا دل چاہتا ہے کہ آپ سے کوئی محبت کرے؟

زرینہ: کیا میرا دل چاہتا ہے کہ مجھ سے کوئی محبت کرے... یہ تو اس پر منحصر ہے کہ کون کرے؟

جاوید: میں کروں۔

زرینہ: اور پھر؟

جاوید: شدید اور لازوال محبت۔

زرینہ: لازوال؟

جاوید: جی۔

زرینہ: اگر میں فوراً آپ کا یقین کر لوں تو نہ جانے آپ میرے بارے میں کیا کہیں گے

جاوید: (جذبات سے) کہوں گا ـــــ کہوں گا کہ ـــــ

زرینہ: وہی جو سب کہتے ہیں۔ بہر کیف جب مجھے اوروں سے کم جینا ہے تو مجھے شدت اور تیز رفتاری سے جینا ہوگا۔ فکر نہ کیجیے آپ کی محبت ہزار لازوال سہی اور میری زندگی لاکھ مختصر۔ مگر میری زندگی آپ کی محبت سے بازی لے جائیگی۔

جاوید: زرینہ!

زرینہ: (جیسے خود سے کہہ رہی ہو) ہائے کتنا خلوص معلوم ہوتا ہے، دل کی پکار ہے تاہم معاملہ غور طلب ہے (پھولدان میں سے ایک پھول جاوید کو دیتی ہے)

لیجئے یہ پھول لیجئے۔

جاوید: اس کا کیا کروں؟

زرینہ: میرے پاس واپس لائیے گا۔

جاوید: کب؟

زرینہ: جب یہ مرجھا جائے۔

جاوید: اس میں کتنا وقت لگے گا؟

زرینہ: بس جتنا سب پھولوں میں لگتا ہے۔ ایک دن!

جاوید: زرینہ میں کتنا خوش نصیب ہوں!

زرینہ: جاوید ایک بار پھر کہیے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔

جاوید: مجھے تم سے محبت ہے

زرینہ: اب آپ جا سکتے ہیں۔

جاوید: (الٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہے) مجھے اجازت دیجیے (واپس آکر زرینہ کے قریب تھوڑی دیر ٹھٹکتا ہے) باہر سے قہقہوں کی اندر گانے کی آواز آتی ہے (جلدی سے باہر جاتا ہے)

زرینہ: (اکیلی ہے دروازے کی طرف دیکھ کر) آخر کیوں نہیں؟

(منظور، نور الحسن، الماس اور بیرن اندر آتے ہیں)

منظور: جاوید حسن نقوی اور بیگم نقوی زندہ باد۔

الماس: ارے بھئی خالی خولی مبارک باد سے کیا ہوگا کوئی سہاگ گاؤ کوئی سہرا سناؤ۔

زرینہ: (خوش ہو کر) ضرور گاؤ۔

الماس: (سہاگ گنگناتی ہے)

نور الحسن: زندگی زندہ دلی کا نام ہے۔

(پردہ)

دوسرا سین

(زرینہ کا کمرہ)

زرینہ: کوئی ہے!

ملازم: حاضر۔

زرینہ: شمعیں روشن کرو۔ (ملازم شمعیں روشن کرتا ہے پروین آتی ہے) آؤ آؤ
(پروین زرینہ کے پاس بیٹھ جاتی ہے) کہو راجا صاحب نے کیا کہا۔
کچھ دیا بھی یا دھتا بتائی؟

پروین: (نوٹوں کی گڈی دیتے ہوئے) دیتے کیسے نہیں! زرینہ اس وقت مجھے
تین سو روپے کی ضرورت تھی کہو تو لے لوں؟

زرینہ: ضرور۔ جتنے جی چاہے لے لو۔ یہ تو بتاؤ کہ جب تم نے راجا صاحب
سے یہ کہا کہ میں تبدیلِ آب وہوا کے لئے علاقے میں جانا چاہتی ہوں
تو کیا بولے؟

پروین: فرمانے لگے بہت نیک خیال ہے۔ صحت کے لئے فائدہ مند رہے گا۔
اے تو کیا تم سچ مچ جانا چاہتی ہو؟

زرینہ: دیکھو ارادہ کر رہی ہوں آگے جو اللہ کو منظور۔

پروین: بھلا کتنے خرچ کا اندازہ ہے؟

زرینہ: یہی کوئی تین ساڑھے تین ہزار۔

پروین: واللہ قائل ہو گئے ہم تو تمہاری محبت کے۔ عشق ہو تو ایسا ہو۔

زرینہ: پروین بعض دفعہ مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ ڈرتی ہوں کہ نادان ہیں، ناتجربہ کار ہیں۔ اس محبت کو کھیل سمجھ کر چھوڑ نہ دیں۔ یہ نہ ہو کہ وقتی جوش ہو جو آندھی کی طرح آتا ہے اور نکل جاتا ہے۔ یہ سب کچھ کہیں میرا وہم تو نہیں۔ مگر اتنا جانتی ہوں کہ اس میں کوئی بات ضرور ہے۔

پروین: کل بھی آئے تھے؟

زرینہ: کیا بے تکا سوال ہے۔

پروین: اور آج پھر آرہے ہیں؟

زرینہ: آرہے ہیں۔

پروین: مجھے یوں معلوم ہے کہ آج دن میں پہروں بیٹھ کر باتیں کی ہیں۔

زرینہ: میری باتیں؟

پروین: اور کس کی کرتے۔

زرینہ: کیا کہہ رہے تھے؟

پروین: وہی داستانِ عشق و محبت۔

زرینہ: پروین کیا تم انھیں بہت دن سے جانتی ہو؟

پروین: ہاں۔

زرینہ: کیا انھیں اس سے پہلے کسی سے محبت ہوئی ہے؟

پروین: کبھی نہیں۔

زرینہ: کبھی ہمیں ہی روئے جو جھوٹ بولے۔

پروین: قسم۔ حضرت عباسؑ کی یہ اِن کا پہلا عشق ہے۔

زرینہ: کیا بتاؤں کس قدر نیک دل انسان ہیں۔

پروین: ہائے افسوس کہ ایسے لوگوں کے پاس کبھی معقول آمدنی نہیں ہوتی۔

زرینہ: نہیں پروین۔ دولت کا نہ ہونا ہی اِن کی خوش بختی ہے (پروین کا اپنے سینے پر رکھ کر) ذرا سُنو۔

پروین: کیا سنوں!

زرینہ: دیکھنا تو کتنا بے طرح دھڑک رہا ہے۔

پروین: آخر اِس دھڑکن کی وجہ؟

زرینہ: وجہ یہ کہ دس بجا چاہتے ہیں اور وہ آتے ہی ہوں گے۔

پروین: یا میرے مولا۔ کیا معاملہ اِس درجہ سنگین ہے! تو پھر یہاں ٹھہرنے کا دھرم نہیں۔ اگر یہ ہماری چھوت کی ہوئی تو میں تو کہیں کی بھی نہ رہوں گی۔

زرینہ: (اناسے جو کمرہ درست کر رہی ہے) انّا دیکھنا دروازے پر کوئی ہے!

انّا: نہیں حضور۔

زرینہ: میں جو کہتی ہوں ہے۔ میں نے خود سنی دستک۔

پروین: بیوی میں تو کسی سیانے کے پاس جاتی ہوں۔

زرینہ: کیوں؟

پروین: میرے خیال میں تمہارے دشمنوں کی جان سخت خطرے میں ہے۔

زرینہ: (ہنس کر) شاید۔ (جاوید اندر آتا ہے)

جاوید: زرینہ (زرینہ لپک کر بڑھتی ہے)

پروین: اے حضور لونڈی کو نہ سلام نہ دعا۔ میاں ابھی سے بھول گئے ہیں!

جاوید: معاف فرمائیے میں نے دیکھا نہیں۔ کہیے کیسی ہیں آپ؟

پروین: اے حضور اب کاہے کو دیکھنے لگے ہم غریبوں کو۔ (زرینہ سے) بھئی اب میں چلتی ہوں۔ کچھ صاحبان میرا انتظار کر رہے ہیں۔ خدا حافظ۔ (جاتی ہے)

زرینہ: آئیے یہاں تشریف رکھیے۔

جاوید: (پاس جاکر) فرمائیے۔

زرینہ: کیا آپ کو مجھ سے اب بھی اتنی ہی محبت ہے جتنی ہمیشہ تھی؟

جاوید: نہیں۔

زرینہ: کیا کہا؟

جاوید: اس سے ہزار گنا زیادہ۔

زرینہ: آج تمام دن کیا کرتے رہے؟

جاوید: پروین کے ہاں گیا۔ ہینواز رگو ہر ہر ندا سے بیٹھ کر باتیں کیں۔ غرضکہ جہاں جہاں آپ کا ذکر سن سکتا تھا وہیں وہیں پہنچا۔

زرینہ: اور آج رات کو؟

جاوید: ابا جان کا خط آیا ہے۔ بریلی آنے کو لکھا ہے۔ میں نے منع کر دیا۔

لکھ دیا میرا جی اچھا نہیں ہے۔

زرینہ: آپ اپنے والد کو کیوں ناراض کر رہے ہیں؟

جاوید: نہیں وہ ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ بتائیے کہ آپ کیا کرتی رہیں؟

زرینہ: آپ کو یاد کرتی رہی۔

جاوید: سچ!

زرینہ: واللہ، اور ہم نے ایک بات سوچی!

جاوید: واقعی؟

زرینہ: جی۔

جاوید: ہم بھی سُنیں۔

زرینہ: پھر کبھی بتاؤں گی۔

جاوید: اِس وقت کیوں نہیں؟

زرینہ: اِس لئے کہ شاید ابھی آپ کی محبت خام ہے۔ محبت کے پختہ ہونے تک بات بھی پکی ہو جائے گی۔ اس وقت میں بتاؤں گی۔ بس اِتنا سن لیجئے کہ اِس بات کا تعلق آپ کی ذات سے ہے۔

جاوید: مجھ سے؟

زرینہ: جی آپ سے جنہیں میں دیوانہ وار چاہتی ہوں۔

جاوید: اور مجھی سے چھپائی جائے گی! بتائیے۔

زرینہ: کیا فائدہ!

جاوید: آپ کو ہماری جان کی قسم۔

زرینہ: (ذرا رک کر) یوں قسمیں دے رہے ہیں گویا آپ سے بات چھپا ہی تو لوں گی۔

جاوید: تو فرمایئے میں ہمہ تن گوش ہوں۔

زرینہ: ایک بہت ہی عمدہ تجویز ہے۔

جاوید: پھر یہ رازداریاں کیسی؟

زرینہ: تجویز نہیں۔ تجویز کا نتیجہ بتائے دیتی ہوں۔

جاوید: تو پھر نتیجہ ہی بتا دیجئے۔

زرینہ: پہلے یہ بتایئے کہ آپ چند مہینے میرے ساتھ کسی خاموش سے مقام پر گزارنا چاہیں گے؟

جاوید: آپ بھی غضب کرتی ہیں۔ بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کون جنت میں جانے سے انکار کر سکتا ہے!

زرینہ: بہت خوب۔ تو انشاء اللہ دو ہفتے کے اندر میرے انتظامات مکمل ہو جائیں گے۔ تو پھر میں آزاد ہوں۔ اس کے بعد ہم دونوں علاقے میں جا کر چند مہینے ساتھ گزاریں گے۔

جاوید: تو کیا ان انتظامات کی تکمیل صرف آپ تنہا کر سکتی ہیں؟

زرینہ: آپ کتنے عجیب انداز سے دریافت کر رہے ہیں۔

جاوید: میرے سوال کا جواب دیجئے زرینہ۔

زرینہ: جی، صرف میں تنہا۔

جاوید: تنہا!

زرینہ : تنہا!

جاوید: اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ آپ اپنے کسی اور چاہنے والے سے روپیہ لیکر اپنی آزادی خریدیں اور آزاد ہونے کے بعد یہ چاہیں کہ میں آپ کے ساتھ چند مہینے گزاروں تو مجھے اِس تجویز سے اتفاق نہیں ہوگا زرینہ یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ اور میرے خیال میں تو آپ کو بھی آپ کی شرافت ایسا قدم اُٹھانے سے روکے گی

زرینہ : تو پھر اِس کا یہ مطلب ہوا ———

جاوید: میں نے آپ سے عرض کر دیا ہے کہ مجھے یہ تجویز منظور نہیں۔

زرینہ : تو چھوڑیئے اِس ذکر کو (وقفہ) آج موسم کس قدر خوشگوار ہے!

جاوید : بہت خوشگوار۔

زرینہ : کیا گومتی کے کنارے آج بہت سا مجمع تھا؟

جاوید: کافی۔

زرینہ : چاندنی راتوں میں اکثر یہی کیفیت رہتی ہے۔

جاوید: (غصے میں) جہنم میں جائیں چاندنی راتیں۔

زرینہ : تو پھر آپ فرمائیے کہ گفتگو کا موضوع کیا رہے گا۔ جب اظہار محبت کرتی ہوں اور اُس محبت کا ثبوت دینا چاہتی ہوں تو آپ بگڑتے ہیں پھر آپ کہیئے کیا گفتگو کروں!

جاوید: زرینہ میں مجبور ہوں۔ مجھے آپ کے خیالات سے بھی رقابت پیدا ہوتی ہے۔ جو تجویز آپ پیش کر رہی ہیں ———

زرینہ : اونہہ ہونہہ، پھر وہی ذکر۔

جاوید : خدا کے واسطے زرینہ میری بات تو سنئے۔ جو جنت آپ مجھے دینا چاہتی ہیں میں اُسے پا کر دیوانہ ہو جاؤں گا۔ مگر اس تک پہنچنے کی یہ پُراسرار راہیں ——

زرینہ : اُسے چھوڑیئے آیئے کام کی باتیں کریں۔ یہ بتایئے کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے یا نہیں۔ اور آپ میرے ساتھ علاقے میں چند مہینے گزارنا چاہتے ہیں یا نہیں؟

جاوید : ضرور گزارنا چاہتا ہوں۔

زرینہ : جاوید میں آپ کو چاہتی ہوں اور میری تمنّا ہے کہ میں چند مہینے آپ کے ساتھ گزاروں۔ مگر اس تمنّا کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ میرے پاس نہیں راجا صاحب کے پاس ہے۔ بڑے نواب صاحب کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دوسرے اُن سے آپ کو رقابت قطعاً نہیں ہونی چاہیئے۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ ان کے میرے درمیان سوائے سیدھی سادی دوستی کے اور کچھ نہیں۔ لِلّٰہ انتظام کا معاملہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔

جاوید : پھر؟

زرینہ : پھر یہ کہ مجھے آپ سے محبت ہے۔ بس اللہ اللہ خیر صلّا۔

جاوید : مگر!

زرینہ : بس اب اس اگر مگر کو چھوڑیئے اور کہہ دیجئے کہ معاملہ طے ہے۔

جاوید: ابھی نہیں۔

زرینہ: بہت خوب تو کل سہی۔ پھر ملے کرینگے۔ کل تشریف لائیے گا۔

جاوید: کل کیوں۔ تو کیا آج میں ابھی سے چلا جاؤں؟

زرینہ: نہیں ابھی جانے کی ضرورت نہیں۔ آپ تھوڑی دیر اور تشریف رکھ سکتے ہیں۔

جاوید: تھوڑی دیر کیوں، کیا کوئی آرہا ہے؟

زرینہ: پھر وہی بات۔

جاوید: زرینہ آپ مجھے دھوکا دے رہی ہیں۔

زرینہ: ذرا یہ تو فرمائیے کہ آپ کی میری دوستی کے دن کی ہے؟

جاوید: چھ دن کی۔

زرینہ: یہ فرمائیے کہ مجھے کیا مجبوری تھی کہ میں آپ سے ملتی؟

جاوید: کوئی مجبوری نہیں۔

زرینہ: اگر مجھے آپ سے محبت نہیں تو کیا میں آپ کو قیصر حسین کی طرح تشریف لے جانے کو نہیں کہہ سکتی؟

جاوید: ضرور کہہ سکتی ہیں۔

زرینہ: تو پھر میری جان مجھے محبت کرنے دیجئے اور شکوہ شکایت ختم کیجئے۔

جاوید: مجھ سے غلطی ہوئی مجھے معاف کر دیجئے۔

زرینہ: اگر معافی ناموں کی یہی رفتار رہی تو ساری عمر ایسی میں گزر جائیگی۔

جاوید: بس آخری بار۔ پھر میں چلا جاؤں گا۔

زرینہ: یہ ہے سمجھداری کی بات۔ کل دوپہر کو تشریف لائیے۔ کھانا ساتھ کھائیے۔

جاوید: کل —— دوپہر؟

زرینہ: کل دوپہر۔

جاوید: بارہ بجے؟

زرینہ: بارہ بجے۔

جاوید: اچھا آپ قسم کھائیے۔

زرینہ: کیسی قسم؟

جاوید: کہ آپ کو کسی کا انتظار نہیں!

زرینہ: پھر وہی۔ جاوید میں قسم کھاتی ہوں کہ میں سوائے آپ کے اور کسی کو نہیں چاہتی۔

جاوید: خدا حافظ۔

زرینہ: خدا حافظ میرے ناداں بالم (کچھ سوچتا ہے پھر چلا جاتا ہے۔ انّا کسی کام سے اندر آتی ہے) انّا آج میری خوشی کی انتہا مت پوچھو۔ معلوم ہوتا ہے میں عالمِ خواب میں ہوں۔ بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ یہ نوجوان جسے ہفتہ بھر اُدھر ملیں، جانتی تک نہ تھی یوں میرے دل و دماغ پر چھا جائے گا۔ انّا کیا انھیں مجھ سے سچ مچ محبت ہے! اتنا کہہ سکتی ہوں کہ میں انھیں دل و جان سے چاہتی ہوں۔ میں نے اس طرح آج تک کسی کو نہیں چاہا۔ انّا مجھے اتنی خوشی کبھی عمر بھر نصیب نہیں ہوئی۔ کہیں یہ خوشی کسی سانحے کا پیش خیمہ تو نہیں!

نوکر : (اندر آکر) بڑے نواب صاحب تشریف لائے ہیں (بڑے نواب صاحب اندر آتے ہیں)

زرینہ : (کھڑے ہوکر تسلیم کرتی ہے) آیئے آیئے حضور تشریف رکھیے۔

نواب : تسلیم۔ کہو کیسی ہو؟

زرینہ : حضور کی عنایت چاہیئے۔

نواب : (مسند پر بیٹھ جاتا ہے۔ زرینہ پان بنا کر خاصدان میں پیش کرتی ہے) شکریہ (پان کھاتا ہے جیب میں سے پانچ اشرفیاں نکال کر خاصدان میں رکھ دیتا ہے) اُفوہ کس قیامت کی سردی پڑ رہی ہے آج۔ مگر تمھارا حکم تھا کہ ساڑھے دس بجے پہنچو۔ بھلا کیسے ٹالتا۔ دیکھو کیسا وقت پر پہنچا ہوں۔

زرینہ : حضور کو بہت زحمت ہوئی۔ مجھے آپ سے ایک بہت اہم کام تھا۔

نواب : کیا کھانا کھا چکی ہو؟

زرینہ : فرمایئے؟

نواب : ورنہ ساتھ کھاتے۔

زرینہ : کیوں آپ نے ابھی خاصہ نوش نہیں فرمایا؟

نواب : کھانا تو ہر وقت کھایا جا سکتا ہے۔ شام چھوٹے نواب کے ہاں دعوت تھی، ہاں کھانا بے لطفی سے کھایا۔

زرینہ : محفل کا کیا رنگ تھا؟

نواب : گنجفہ چل رہا تھا۔

زرینہ : نورالحسن دھڑا دھڑ ہار رہے ہوں گے ؟

نواب : جی ہار رہے تھے اور جھنجلا رہے تھے۔

زرینہ : پرسوں پرلے روز الماس کے ہاں کھانے پر تھے۔

نواب : اور کون کون تھا ؟

زرینہ : منظور کو تو حضور جانتے ہیں۔ وہ تھے۔

نواب : خوب !

زرینہ : اور جاوید حسین نقوی تھے۔

نواب : یہ جاوید حسین نقوی کون ہیں ؟

زرینہ : منظور کے دوست ہیں۔ مگر پروین کے اور میرے بھی۔ اُفوہ کس قدر ہنسے ہیں ہم اُس شام۔

نواب : ہمیں خبر نہ ہوئی ورنہ ہم بھی چلے آتے۔ یہ تو بتاؤ کہ میرے آنے پر یہاں سے کوئی صاحب اُٹھ کر گئے تھے ؟

زرینہ : نہیں تو، کیوں ؟

نواب : جیسے ہی میں فٹن سے نکلا ایک صاحب لپک کر آگے بڑھے۔ گھور گھور کر مجھے دیکھا پھر جلدی سے سرک گئے۔

زرینہ : (پکار کر) کوئی ہے۔

نواب : کیوں کیا چاہیئے ؟

زرینہ : انّا سے کچھ پوچھتی ہے (انّا آتی ہے) انّا گلی میں جا کر تو دیکھنا کہ جاوید حسین نقوی تو نہیں۔ پھر آکر مجھے بتاؤ۔

انّا : بہت خوب حضور (جاتی ہے)

نواب : ایک خوش خبری سنائیں تمھیں!

زرینہ : کیا؟

نواب : سرور حسین شادی کر رہے ہیں۔

زرینہ : شہزادے صاحب اپنی شادی!

نواب : جی اپنی شادی۔

زرینہ : کس سے کر رہے ہیں حضور؟

نواب : بوجھو!

زرینہ : سرکار بتائیں۔

نواب : زہرہ جان سے۔

زرینہ : میری دانست میں تو غلطی کر رہی ہے۔

نواب : تمھارا یہ مطلب ہے کہ شہزادے صاحب غلطی کر رہے ہیں؟

زرینہ : بندہ پرور جب اس قسم کا مرد زہرہ سی عورت سے شادی کرتا ہے تو وہ غلط سودا نہیں کرتا۔ بلکہ عورت نقصان میں رہتی ہے۔ شہزادے صاحب کی جیب میں جھنجی کوڑی تک نہیں۔ اُس پر پرلے درجے کے آوارہ مزاج۔ اگر زہرہ سے شادی کر رہے ہیں تو محض اُس کی آمدنی کی خاطر۔ وہ آمدنی جو حضور جیسے کرم فرماؤں نے پچھلے چند سالوں میں زہرہ کو عنایت فرمائی ہے۔

انّا : (اندر آ کر زرینہ سے) حضور مجھے تو گلی میں کوئی دکھائی دیا نہیں۔

زرینہ : خدا نخواستہ اجازت فرمائیں تو ذرا سی سنجیدہ گفتگو ہو جاتی !

نواب : سنجیدہ ! اماں ہم تو خوش گپی کرنے آئے تھے۔

زرینہ : گفتگو کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ خوش گپی ہو سکتی ہے یا نہیں۔

نواب : تو کہیئے میں سُن رہا ہوں۔

زرینہ : میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ حضور کے پاس سر دست کچھ نقد دام ہوں گے ؟

نواب : اجی چیل کے گھونسلے میں ماس کہاں۔

زرینہ : مجھے کچھ داموں کی ضرورت تھی۔

نواب : کتنے دام ؟

زرینہ : یہی کوئی پندرہ ہزار۔

نواب : یا علیؑ اتنے بہت سے۔ اور پورے پندرہ ہزار کیوں ؟

زرینہ : اپنا قرضہ چکانا چاہتی ہوں۔

نواب : تو کیا تم اپنے قرض بھی ادا کیا کرتی ہو ؟

زرینہ : نہ جانے کیوں یہ کمبخت قرض خواہ مجھ سے یہی توقع کرتے ہیں۔

نواب : کیا فوری ضرورت ہے ؟

زرینہ : جی فوری۔

نواب : بہت اچھا۔ تو مجھ پر چھوڑ دیجئے۔

انّا : (اندر آکر) حضور ایک بہت ضروری خط ہے۔ اور اسے فوراً پیش کرنے کی ہدایت ہے۔

زرینہ : (خط لیتے ہوئے) یہ بھلا کیا وقت نکالا ہے خط بھیجنے کا۔ کس کا ہے
(کھول کر جلدی جلدی پڑھتی ہے)

انّا : حضور جواب ہوگا ؟

زرینہ : نہیں ——— (انّا جاتی ہے)

نواب : ارے تم اس قدر پریشان کیوں ہوگئیں۔ کس کا خط ہے ؟

زرینہ : (خط دیتے ہوئے) حضور کے لئے پروانۂ مسرت اور میرے لئے پیغام غم، پڑھ لیجئے۔

نواب : (پڑھتا ہے) "میری پیاری زرینہ" ——— ارے یہ تو جاوید صاحب کا ہے۔

زرینہ : جی ہاں، پڑھیئے۔

نواب : "آپ دنیا کی عزیز ترین عورت ہیں۔ مگر یہ کہ میں آپ کی زندگی میں ایک مرضِ فضول بن کر رہوں یہ ناممکن ہے۔ جب میں آپ کے ہاں سے لوٹ رہا تھا تو بڑے نواب صاحب تشریف لائے۔" بڑے حاسد معلوم ہوتے ہیں نقوی صاحب۔ پھر کہتے ہیں۔ "میں نہ منظور صاحب کا ہم عمر ہوں نہ میری طبیعت کی افتاد اُن کی سی ہے اور معافی کا خواستگار ہوں کہ لکھ پتی نہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ آپ یہ بھول جائیں کہ ہم کبھی ملے بھی تھے اور کبھی ہمیں یہ خیال بھی گزرا تھا کہ ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ جب آپ کو یہ خط ملے گا تو میں لکھنؤ چھوڑ کر جا چکا ہونگا۔ جاوید"
اچھا تو روپے کی ضرورت یوں تھی !

زرینہ : جی۔ چونکہ مجھے محبت ہوگئی تھی۔

نواب: تمہیں محبت ہو گئی تھی! کچھ کھا تو نہیں گئیں!

زرینہ: اور پھر ایسے شخص سے جسے مجھ سے محبت نہیں۔ عام بات ہے اور جو نادار ہے یہ بھی عام بات ہے۔

نواب: (طنز سے ہنس کر) اماں کچھ اچھی نہیں رہی آپ کی یہ سازش (خط دیتا ہے)

زرینہ: (پکارتی ہے خط پھینک دیتی ہے) کوئی ہے (پھر نواب سے) چلیے آپ کے ہاں چل کر کھانا کھائیں۔

نواب: چلیے میں حاضر ہوں۔ کوشش بھی کروگی تو پندرہ ہزار کا کھانا نہ کھا پاؤگی۔ میں بہت منافع میں رہا۔

زرینہ: چلیے تو پھر جلدی چلیں۔ میرا جی گھبرا رہا ہے۔

نواب: تم تو سچ مچ پریشان ہوگئیں۔ کیا واقعی کوئی بات ہے؟

زرینہ: نہیں ابھی ٹھیک ہوئی جاتی ہوں (انا آتی ہے) انا میرا دوشالہ تو لانا۔

انا: کون سا حضور؟

زرینہ: کوئی ہلکا سا (نواب صاحب سے) جناب عالی ہم تو جیسے اچھے برے ہیں، ہمیں ویسے ہی قبول فرمائیں۔ حضور ہمیں بدلنے کی کوشش نہ کریں (انا آتی ہے)

انا: (دوشالہ اڑھاتے ہوئے) حضور سردی بہت ہے۔ دشمنوں کی طبیعت کہیں خراب نہ ہو جائے۔

زرینہ: نہیں۔

انّا : میرے لئے کیا حکم ہے۔ میں یہیں بیٹھوں؟

زرینہ : نہیں۔ تم جاکر سو رہو۔ پہرے والی کو بھیجدو۔ وہ یہاں بیٹھ جائیگی۔ میں ذرا دیر سے آؤں گی (زرینہ اور نواب جاتے ہیں)

پروین : (اندر آتی ہے) کیا زرینہ چلی گئیں؟

انّا : جی ابھی ابھی تشریف لے گئی ہیں۔

پروین : کہاں گئی ہیں؟

انّا : بڑے نواب صاحب کے ساتھ تشریف لے گئی ہیں۔

پروین : اے تمہیں خدا کی قسم بڑے نواب کے ساتھ چلدیں؟

انّا : جی۔

پروین : خط تو دیدیا تھا نا؟

انّا : جاوید صاحب کا خط!

پروین : ہاں! کچھ کہہ رہی تھیں؟

انّا : نہیں تو۔

پروین : کب تک لوٹیں گی؟

انّا : میں تو جانوں دیر سے واپسی ہوگی۔ آپ سوئیں نہیں؟

پروین : انّا بی۔ میں اللہ ماری تو اچھی خاصی پڑی سو رہی تھی کہ ایکا ایکی کسی نے اس قدر دھڑ دھڑ کواڑ پیٹے کہ آنکھ کھل گئی۔ اب جاکر دیکھتی ہوں تو (دستک)

نوکر : (اندر آتا ہے) حضور رضائی منگوا رہی ہیں۔ باہر بہت سردی ہے۔

(آتا جاتی ہے)

پروین: تو کیا ابھی زرینہ نیچے گئی ہیں!

نوکر: حضور گاڑی میں تشریف رکھتی ہیں۔

پروین: جاؤ۔ جاکر اُن سے کہو اوپر چلی آئیں۔ مجھے اُن سے کچھ کہنا ہے۔

نوکر: مگر وہ تو بڑے نواب صاحب کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ہیں۔

پروین: بیٹھی ہیں تو کیا کریں۔ ہمیں اُن سے ایک ضروری کام ہے۔

جاوید: (باہر سے) پروین۔

پروین: (کھڑکی کے پاس جاکر) ارے بھائی دم لو۔ بیقراری کاہے کی ہے ابھی بُلاتی ہوں تمہیں۔ پہلے زرینہ سے تو بات کر لوں (زرینہ آگے آتا پیچھے آتی ہے)

زرینہ: کیوں پروین خیر تو ہے؟

پروین: جاوید میرے ہاں بیٹھے ہیں۔

زرینہ: تو کیا کروں؟

پروین: تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

زرینہ: میں اُن سے بات نہیں کروں گی۔ دوسرے اس وقت ناممکن ہے ایک صاحب نیچے کھڑے میرا انتظار کر رہے ہیں۔ جاؤ جاوید سے کہہ دو۔

پروین: یہ بات تو میں قیامت تک نہیں کہوں گی۔ وہ آؤ دیکھیں گے نہ تاؤ نواب پر پل پڑیں گے اور میری گردن پر خونِ ناحق ہوگا۔

زرینہ: خدا کے واسطے یہ بتاؤ کہ وہ چاہتے کیا ہیں!

پروین: اے بھلا میں کیا جانوں وہ کیا چاہتے ہیں بس یہ پوچھتی ہوں کہ انھیں خود بھی خبر ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ مگر عاشق کا حالِ زار کون نہیں جانتا۔

انّا : (رضائی دیتے ہوئے) میں قربان رضائی کندھوں پر ڈال لیجیے۔

زرینہ : ابھی نہیں۔

پروین : بولو کیا کہتی ہو؟

زرینہ : یہ نوجوان میرے دل کا خون کر کے رہے گا۔

پروین: تو پھر کاہے کو ملو۔ معاملہ جہاں ہے وہیں رہنے دو۔

زرینہ : تمھاری یہی رائے ہے نا؟

پروین : قطعی طور پر۔

زرینہ : (وقفے کے بعد) پروین وہ اور کیا کہہ رہے تھے؟

پروین: تو پھر تم جاوید کو بلوانا چاہتی ہو! میں ابھی لائی انھیں۔ مگر بڑے نواب صاحب کا کیا ہوگا؟

زرینہ : وہ تھوڑی سی دیر انتظار کر لیں گے۔

پروین: میری ناقص رائے میں تو یہ بہتر رہتا کہ تم انھیں سرے سے رخصت کر دیتیں۔

زرینہ : میرے خیال میں ٹھیک کہہ رہی ہو۔ انّا جاؤ نیچے جا کر نواب صاحب سے کہہ دو کہ میری طبیعت واقعی بدمزہ ہے اور اِس وقت میں اُن کے ہمراہ نہ جا سکوں گی۔ دیکھنا میری طرف سے معافی مانگ لینا۔ کہنا پھر کبھی سہی یا جو کچھ تم مناسب سمجھو کہہ دینا۔

انّا : بہت خوب حضور۔

پروین: (کھڑکی کھول کر) جاوید اب چلے آؤ۔ (زرینہ سے) سر کے بل آئینگے حضرت۔

زرینہ: پروین تم یہیں رُکنا۔

پروین: میں؟ ہرگز نہیں۔ بس دو منٹ بعد حکم ہوگا "پروین تم جاؤ" نہ بابا میں اِس سے خود ہی کیوں نہ چلی جاؤں۔

انّا: (اندر آکر) نواب صاحب تشریف لے گئے حضور۔

زرینہ: کچھ کہا تو نہیں؟

انّا: نہیں سرکار (جاتی ہے)

جاوید: (اندر آتا ہے) زرینہ میری جان!

پروین: لو صاحب ہم تو چلے۔ (جاتی ہے)

جاوید: (زرینہ کے پاؤں پکڑ لیتا ہے) زرینہ!

زرینہ: جی! حکم فرمائیے۔

جاوید: میں تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔

زرینہ: میں آپ کو معافی کا مستحق نہیں سمجھتی (جاوید کچھ کہنا چاہتا ہے) آپ کے خط کا مضمون بدتمیزی اور گستاخی کا تھا۔ آپ نے میرا دل توڑ دیا۔ اور مجھے بے انتہا رنج پہنچایا۔

جاوید: کیا آپ نے میرے دل کو ٹھیس نہیں پہنچائی؟

زرینہ: مگر میں نے ایسا عمداً نہیں کیا۔

جاوید: جب میں نے بڑے نواب صاحب کو یہاں آتے دیکھا تو مجھے خیال ہوا کہ میں اِس شخص کی خاطر اپنی جنت سے نکال دیا گیا ہوں۔ میں غصے

سے پاگل ہوگیا۔

زرینہ: میرے محسن جو آپ طے فرما چکے ہیں وہی مناسب ہے۔

جاوید: یعنی؟

زرینہ: یہ کہ آپ لکھنؤ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

جاوید: جی اور جیسے چھوڑ ہی دیتا!

زرینہ: میری رائے میں تو آپ کو ضرور چھوڑ دینا چاہیئے۔

جاوید: ضرور چھوڑ دینا چاہیئے!

زرینہ: محض اپنی خاطر نہیں بلکہ میری خاطر چلے جایئے اور اس قصے کو یہیں ختم کر دیجئے۔ میں جوان ہوں، حسین ہوں۔ آپ نے مجھ پر کرم کیا آپ ماشاء اللہ سمجھدار ہیں، آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ میری خوبیوں کو اپنا لیتے اور میری خرابیوں کو نظر انداز کر دیتے۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

جاوید: یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں یہ انداز گفتگو تو کچھ نیا سا ہے۔ ابھی جب آپ مجھے اپنے ساتھ لیجانے کی دعوت دے رہی تھیں تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں ایک خواب دیکھ رہا ہوں۔ اس دُنیا سے دُور بہت دور مگر اُس خواب سے چونکنے کے بعد اصلیت کا احساس مجھے تکلیف دے رہا ہے۔

زرینہ: (اُداس لہجے میں) آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ میں بھی کچھ دنوں سے محسوس کر رہی تھی کہ مجھے کچھ عرصے کے لئے سکون و آرام کی ضرورت ہے۔ آپ بھی میری صحت کی طرف سے پریشان ہیں۔ ہم کچھ مہینے ساتھ گزارنے کے بعد لکھنؤ واپس آتے اور اپنی محبت کے گرد ایک گہری اور پائدار دوستی کی بنیاد

Jammu & Kashmir University Library

رکھتے۔ چھوڑیئے یہ خیالِ خام تھا، ختم ہوا۔ آپ نے پانچ چھ دن میرے ساتھ کھانا کھایا۔ جس کے بدلے میں آپ نے مجھے دستِ بند عنایت فرمائے۔ چلئے حساب بیباق ہوا۔

جاوید: آپ دیوانی ہوگئی ہیں۔ مجھے آپ سے محبت ہے اِس لئے نہیں کہ آپ حسین ہیں یا چند دن آپ میری محبوبہ رہیں گی۔ آپ میری امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز ہیں۔ میرے خیالوں کی دنیا۔ میری زندگی۔ مجھے آپ سے محبت ہے۔ بس اور کیا کہوں۔

زرینہ: مگر مجھے آپ کے پہلے فیصلے سے اتفاق ہے کہ ہم ایک دوسرے کو بھول جائیں۔ میرے خیال میں یہی مناسب ہے۔

جاوید: ظاہر ہے۔ چونکہ آپ کو مجھ سے محبّت نہیں!

زرینہ: جی نہیں بلکہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں بے سوچے سمجھے فرما رہے ہیں۔

جاوید: تو پھر!

زرینہ: تو پھر کیا۔ کیا آپ سب کچھ جاننا چاہتے ہیں۔ کیا آپ یہ سننا چاہتے ہیں کہ میری زندگی میں کیوں ایسے لمحے آتے ہیں۔ جب میں ایک خواب میں کھو جاتی ہوں۔ پھر ایسے دن بھی آتے ہیں جب میں اِس زندگی سے بیزار ہو جاتی ہوں۔ کسی اور زندگی کے خواب دیکھتی ہوں۔ اپنی اِس طوفانی زندگی میں میرا شعور میری خودداری میرے احساسات سب بیدار ہوتے ہیں اور میرا دل کسی غمگسار اور رفیق کی ناکام تلاش سے تھک کر سو جاتا ہے۔

دیکھنے والوں کو ہم خوش نظر آتے ہیں۔ وہ ہم پر رشک کرتے ہیں۔
ہمارے ایسے ایسے عاشق ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو تباہ کرنے پر تُلے
ہوتے ہیں۔ ہماری خاطر نہیں۔ بلکہ اپنی احمقانہ شان وشوکت کی خاطر
پھر ہمارے ایسے ایسے دمسانہ ہوتے ہیں، جیسے پروین جنھیں اس سے
مطلب نہیں کہ ہمارا کیا حشر ہوتا ہے۔ انھیں صرف اپنے کام سے
کام۔ بس انھیں تو دنیا پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ ہمارے دم کے ساتھ
ہیں۔ ہماری راز دار ہیں۔ کسی محفل میں جائیں یہ ہمارے ساتھ تھتی ہیں
ہماری گاڑیوں میں نیم دراز۔

ہمارے چاروں طرف سوائے تباہی و بربادی، ذلت اور جھوٹ کے
اور کچھ نہیں۔ جب اس زندگی سے تھک جاتی ہوں تو ہوائی قلعے
تعمیر کرتی ہوں۔ مگر کسی سے کہہ نہیں سکتی۔ پھر مجھے کبھی کبھی یہ محسوس ہوتا
ہے کہ میں ایک ایسے انسان سے ملی جس نے مجھے اور میرے سب جذبات
کو جوں کا توں اپنا لیا۔ راجا صاحب ایسے ہی انسان ہیں۔ مگر افسوس
ضعیفی نہ کسی کی حفاظت کر سکتی ہے نہ دل بستگی۔ اور پھر ضروریاتِ
زندگی بھی ہیں۔

پھر میں نے دیکھا کہ میری زندگی میں آپ آئے۔ جوان، جوشیلے اور خوش
طبع۔ میں نے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھے۔ آپ کو
اپنی صحت کے لئے پریشان ہوتے ہوئے دیکھا۔ اپنی بیماری کے دوران
میں آپ کو پُراسرار طریقے سے اپنی عیادت کو آتے ہوئے دیکھا۔ آپ کا

خلوص، آپ کے جذبات، آپ میں وہ ہر چیز موجود پائی جسے میں اپنے تلاطم زدہ سکون اور تنہائی کی گہرائیوں میں سے پکار پکار کر بلایا کرتی تھی میں نے ایک لمحے کے اندر دیوانوں کی طرح آپ کی محبت پر اپنے سارے مستقبل کی بنیادیں استوار کر لیں۔ آپ کے ساتھ کسی پُر فضا جگہ پر سکون و آرام کی زندگی کے خواب دیکھنے لگی۔ بچپن کے سارے خواب دہرائے، میں ناممکن کو ممکن سمجھنے لگی۔ یہ سب آپ کے صدقے ممکن معلوم ہونے لگا۔ اب تو آپ سب کچھ جان گئے۔

جاوید: آپ کے خیال میں، میں یہ سب کچھ سُن لینے کے بعد آپ کو چھوڑ دوں گا اب جبکہ مسرت و کامرانی ہمارے قدم چُومنے کو ہیں، تو کیا ہم کو یوں میدان چھوڑ کر بھاگ جانا چاہیئے! نہیں زرینہ نہیں ہمارے خواب شرمندہ تعبیر ہوں گے۔ یہ میرا ایمان ہے۔ ہم دونوں جوان ہیں۔ ہم کو ایک دوسرے سے محبت ہے۔ محبت کو ہماری رہبری کرنے دو میری جان!

زرینہ: جاوید مجھے دھوکا مت دیجئے۔ یاد رکھیئے کہ ایک اچانک سانحہ بھی میرا خاتمہ کر سکتا ہے۔ یہ نہ بھولیئے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں

جاوید: تم فرشتہ ہو اور مجھے تم سے محبت ہے۔

نا: (باہر سے) حضور میں حاضر ہو جاؤں؟

زرینہ: کیا ہے انّا؟

نا: (باہر سے) حضور کے لئے ایک خط ہے۔

زرینہ : خط (ہنستی ہے) معلوم ہوتا ہے آج کی رات خطوں کے لئے مخصوص ہو گئی ہے۔ کس کا ہے؟

انّا : بڑے نواب صاحب کا۔

زرینہ : کیا کوئی جواب کے لئے کھڑا ہے؟

انّا : جی حضور، ہرکارہ حاضر ہے۔

زرینہ : (جاوید کی گردن میں باہیں ڈال کر) ہرکارے سے کہدو۔ تم اس سے کہدو۔ یہاں کوئی نہیں ہے۔

(پردہ)

دوسرا ایکٹ

(دیہات کی ایک حویلی۔ انّا دسترخوان بڑھا رہی ہے)

پروین: (اندر آتی ہے) زرینہ کہاں ہے؟

انّا: پائینِ باغ میں تشریف رکھتی ہیں۔ بینو بی اور گوہر مرزا بھی وہیں ہیں۔ یہ دونوں دن بھر کے لئے آئے تھے شام کو لکھنؤ لوٹ جائیں گے۔

پروین: تو پھر میں بھی باغ میں جاتی ہوں!

جاوید: (انّا برتنوں کی کشتی لے کر باہر جاتی ہے جاوید اندر آتا ہے) پروین مجھے تم سے کچھ دریافت کرنا ہے۔ دو ہفتے ہوئے تم زرینہ کی گاڑی میں لکھنؤ گئی تھیں؟

پروین: ہاں تو پھر؟

جاوید: اُس دن کی گئی ہوئی گاڑی آج تک لوٹ کر نہیں آئی۔ پچھلے ہفتے تم نے زکام کی شکایت کی تو زرینہ نے اپنا کارچوبی دوشالہ تمھیں اوڑھنے کو دیا آج تک وہ بھی واپس نہیں آیا۔ پھر پرسوں انھوں نے اپنے کنگن

اور کچھ ہیرے تمھیں زیور بنوانے کو دیئے، اُن کی کہیں رسید نہیں
میں دریافت کر سکتا ہوں کہ کہاں ہیں وہ گھوڑے اور گاڑی وہ
دوشالہ وہ زیورات؟

پروین: کہو تو بتا دوں؟

جاوید: تمھیں خاتونِ جنت کی قسم ضرور بتاؤ۔

پروین: گھوڑے آدھی قیمت پر سوداگر کو واپس کر دیئے گئے۔

جاوید: اور دوشالہ؟

پروین: بک گیا۔

جاوید: اور ہیروں اور دست بندوں کا کیا ہوا؟

پروین: رہن رکھ دیئے گئے۔ اور یہ رہی لالہ کی رسید۔

جاوید: مجھے اِن باتوں کی اطلاع کیوں نہ دی گئی؟

پروین: زرینہ نے قسمیں دیدی تھیں کہ تمھیں اِن باتوں کی ہوا تک نہ پہنچنے پائے۔

جاوید: مگر یہ سب چیزیں اِس ڈھنگ سے نکالی کیوں جا رہی ہیں؟

پروین: تاکہ گھر کا خرچ چلے۔ میاں صاحبزادے آپ کے خیال میں اِس آزاد
فضا میں سانس لینے اور سبزہ زار سے لُطف اندوز ہونے کے لئے
کیا صرف محبت کی ضرورت ہے۔ نہیں میاں اِس رومان کے علاوہ
زندگی کی کچھ ناخوشگوار حقیقتیں اور کچھ مسائل بھی ہیں۔ میں خود کب
چاہتی ہوں کہ زرینہ اِس قسم کی زندگی کی خاطر اتنی بڑی قربانی دے۔
میں اِسی غرض سے آج بھی بڑے نواب صاحب کے ہاں گئی تھی مگر

وہ کسی بہانے زرینہ کو کچھ دینے کے لئے تیار نہیں۔ تمھیں چھوڑ دینے کی شرط لگاتے ہیں۔ مگر یہ میں جانتی ہوں یا میرا پروردگار کہ زرینہ کو یہ شرط قیامت تک منظور نہ ہوگی۔

جاوید: بیچاری زرینہ!

پروین: قسم حضرت عباسؑ کی زرینہ کی طرف سے میرا اِس قدر جی کٹتا ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اِس قصّے کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ فی الحال تو زرینہ تنکا تنکا بیچے ڈال رہی ہے۔ یہ رہی ساری چیزوں کی فہرست۔

جاوید: یہ تو بتاؤ کتنی رقم کی ضرورت ہے؟

پروین: پچاس ہزار۔

جاوید: پروین تم قرض خواہوں سے دو ہفتے کی مہلت لے لو۔ میں پائی پائی چکا دوں گا۔

پروین: آپ قرض لیں گے؟

جاوید: ہاں۔

پروین: خوب تو کیا اپنے والد سے بگاڑ لیجیے گا اور اپنا سارا مستقبل خاک میں ملا دیجیے گا؟

جاوید: چند دن سے مجھے کچھ شبہ سا ہو رہا تھا۔ اِسی لیے میں نے اپنے وکیل سے مشورہ کیا ہے کہ اگر میں اپنی والدہ کے حصّے کی جائداد کسی دوست کے نام کرنا چاہوں تو مجھے کیا کارروائی کرنا ہوگی۔ وکیل صاحب نے

سب کاغذات مکمل کر کے آج ہی جواب بھیجا ہے۔ بس میرے دستخط کرنے کی دیر ہے۔ آج ہی لکھنؤ جا کر دستخط کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے تم زرینہ کو کوئی قدم مت اٹھانے دو۔

پروین: (کاغذات دکھا کر) اور اِن کا کیا ہوگا؟

جاوید: یہ میرے جانے کے بعد زرینہ کو دینا۔ مگر میری اور تمھاری کیا گفتگو ہوئی زرینہ تک اس کی بھنک نہ پہنچے۔ میرے خیال میں وہ آرہی ہیں (زرینہ گوہر اور مینو اندر آتے ہیں) زرینہ میری جان ذرا پروین کو تو ڈانٹ دیجئے۔

زرینہ: کیوں؟

جاوید: میں نے کتنا کہا کہ روز لکھنؤ جاتی ہو ذرا میرے ہاں سے میری ڈاک لیتی آنا۔ میں دو ہفتے سے شہر نہیں گیا مگر یہ صاحبہ پھر بھول گئیں اب مجھے خود جانا پڑے گا۔ والد صاحب کو دو مہینے سے خط نہیں لکھا کسی کو یہ خبر نہیں میں کہاں ہوں کیسا ہوں۔ نوکر تک کو معلوم نہیں۔ آج موسم بھی بھیر یرا ہو رہا ہے اور آپ کی طبیعت بھی ہشاش ہے۔ دوسرے گوہر مرزا اور مینو بھی یہیں ہیں۔ میں لکھنؤ جا کر اُلٹے پاؤں لوٹ آؤں گا۔

زرینہ: ضرور جائیے میری جان۔ مگر آپ نے والد صاحب کو خط کیوں نہیں لکھا! میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔ میں نے دسیوں بار آپ کو یاد دلایا ہوگا مگر آپ کی سنتی ہے بلا۔ تو پھر بسم اللہ کیجئے سدھاریئے۔ مگر جلدی لوٹنے کی کوشش کیجئے گا۔ تب تک میں گوہر مرزا اور مینو کو روکے لیتی ہوں۔ جائیے پنجتن کی پناہ میں دیا آپ کو۔

جاوید: میں ابھی آیا (زرینہ دروازے تک ساتھ جاتی ہے۔ جاوید باہر جاتا ہے)
زرینہ: خدا حافظ۔ امام ضامن ضامن (پھر پرِدین سے) کہو سب انتظام ہو گیا؟
پرِدین: ہاں۔
زرینہ: اور کاغذات؟
پرِدین: یہ رہے کاغذات ناظم صاحب بھی آتے ہوں گے۔ اتنے میں ذرا کچھ کھلاؤں۔ نگوڑی آنتیں قل ہو واللہ پڑھ رہی ہیں۔
زرینہ: ہاں ہاں جاؤ۔ اتنا سے کہنا تمہیں کھانا اتار دے گی (پرِدین جاتی ہے۔ زرینہ گوہر مرزا سے) ہاں تو حضرت سن لی آپ نے میری داستان محبت!
مینو: تو مطلب یہ ہے کہ آپ ماشاءاللہ بہت خوش ہیں!
زرینہ: خوش اور مطمئن۔ چپڑی اور دو دو۔
مینو: کیوں زرینہ آپا میں آپ سے نہ کہتی تھی کہ حقیقی خوشی خاموشی کی زندگی میں ہے۔ دل کو اطمینان ہے تو سب کچھ ہے۔ ہم اور گوہر مرزا اکثر یہی باتیں کیا کرتے ہیں۔ زرینہ آپا خدا کرے آپ کو بھی کسی سے عشق ہو جائے اور سکون کی زندگی نصیب ہو۔
زرینہ: تمہاری یہ دعا تو قبول ہو گئی۔ مجھے عشق بھی ہو گیا اور میں خوش بھی ہوں تم دونوں کی محبت دیکھ کر مجھے سدا ارمان ہوتا تھا کہ پروردگار تمہاری مسرت کے صدقے میں مجھے بھی خوشی نصیب کرے۔
گوہر: آپ سچ کہہ رہی ہیں۔ ہماری محبت اور مسرت واقعی قابلِ رشک ہے۔ کیوں مینو ٹھیک ہے نا؟

مینو : شک بھی کیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سودا مہنگا نہیں پڑتا۔ زرینہ آپا تو بڑی آدمی ہیں کبھی ہمارے گھر نہیں آئیں ورنہ آپ کا دل چاہتا کہ آپ کا بھی ویسا ہی گھر ہو۔ یوں تو اپنے خیال میں آپ اس وقت بھی بہت سادہ زندگی بسر کر رہی ہیں پر ہماری دو چھوٹی چھوٹی سی کوٹھریاں اور دالان دیکھ کر آپ کو بہت حیرت ہوتی۔

زرینہ : بھئی اب جب گوہر مرزا کو منصفی کا عہدہ مل گیا ہے تو شادی جلدی ہی ہونے والی ہوگی ؟

گوہر : جی اگر میں چاہوں تو۔

مینو : تمھارے چاہنے کی ایسی کی تیسی۔ چاہیں گے تو تمھارے اچھے بھی۔ اور ہوگی تو بندی سے ہوگی۔ بندہ پرور تمھیں مجھ سے اچھی بیوی نہیں ملنے کی اور پھر بیوی بھی کون جس کا دم تم پہ جائے۔

زرینہ : کہو کب تک ارادہ ہے؟

مینو : انشاء اللہ جلدی ہی۔

زرینہ : یہ بتاؤ کہ تم دونوں بہت خوش ہو !

مینو : اور آپا آپ —— آپا آپ بھی کر لیجئے نا شادی۔

زرینہ : تم بتاؤ کس سے کروں ؟

مینو : جاوید سے اور کس سے !

زرینہ : جاوید سے ! نہیں نہیں یہ ناممکن ہے۔ مجھے صرف اُن سے محبت کا حق ہے شادی کا نہیں۔ میں ہزار اُن کے دل میں سما جاؤں مگر اُن کے خاندان

میں نہ کھپ سکوں گی۔ ہم سی عورتوں کی زندگی میں کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے ہم مرتے دم تک پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ اگر میں جاوید سے شادی کرنا چاہوں تو وہ کل کے کرتے آج کر لیں گے۔ مگر میری محبت کا تقاضہ مجھے اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ میری خاطر اپنے مستقبل کو قربان کر دیں۔ کیوں گوہر میاں تم کیا کہتے ہو؟

گوہر: زرینہ آپا قسم خدائے پاک کی آپ سی عالی ظرف خاتون کم دیکھنے میں آتی ہے۔

زرینہ: نہیں میاں میں کیا اور میری بساط کیا۔ البتہ کوشش کرتی ہوں کہ ایک عالی ظرف مرد کی طرح سوچ سکوں۔ کیوں ٹھیک ہے نا، مجھے تو اتنی بھی خوش نصیبی کا کبھی وہم و گمان نہ تھا۔ یہ تو اس کا کرم ہے۔ ورنہ کہاں میں روسیاہ اور کہاں یہ خوش بختی۔ ڈرتی ہوں کہ کہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

مینو: اصل بات تو آپ کی خوشی ہے باقی تو سب بیکار کی باتیں ہیں۔

زرینہ: میری خوشی تو مسلم ہے۔ مینو بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ زرینہ ایک دن یوں ایک مرد کی محبت میں گرفتار رہ جائے گی' یوں اس کے پہلو میں بیٹھ کر آرام اور چین کی گھڑیاں گزارے گی، اپنے دل کی کہے گی اس کے دل کی سنے گی!

مینو: ہو بہو ہماری طرح۔

زرینہ: ایسی بات میں کسی اور سے بھلا کیسے کر سکتی ہوں۔ تم دونوں کے سوا

کوئی اور میری اِن باتوں کا یقین بھی تو نہیں کرنے کا. جانتی ہو بعض دفعہ میں بالکل بھول جاتی ہوں کہ میں کون تھی کیا تھی. ماضی کی زرینہ جیسے حال کی زرینہ سے کٹ کر الگ ہو جاتی ہے. مجھے ایسا لگتا ہے کہ میں ایک نہیں دو ہوں. حال کی عورت ماضی کی عورت کو خفیف سا بھی پاتی ہے. جب میں جاوید کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دریا کے کنارے ٹہلتی ہوں تو مجھے اپنے اوپر دھوکا ہونے لگتا ہے کہ میں زرینہ بھی ہوں یا نہیں. وہ زرینہ جو محض اپنے سنگھار کی خاطر ہزاروں روپے بے دریغ لٹایا کرتی تھی جس سے کئی خاندانوں کے پیٹ پل سکتے تھے اور اب جاوید کے دیئے ہوئے یہ چند موتیا کے پھول اُس کی صبح و شام کو مہکا سکتے ہیں. چھوڑو اِس قصے کو تمہیں تو خوب معلوم ہے. بس اتنا جانتی ہوں کہ خوش ہوں مگر تم دونوں کو پوری بات کہاں معلوم ہے!

ہیلنو : اللہ کیا بات ہے!

زرینہ : ابھی ابھی تم کہہ رہی تھیں نا کہ میں بڑی آدمی ہوں. تم لوگوں کی طرح سادگی سے نہیں رہتی - یہ شکایت بھی تمھیں تھوڑے دن کے بعد نہیں رہے گی.

ہیلنو : وہ کیسے؟

زرینہ : جاوید کو بتائے بغیر میں اپنا لکھنؤ کا گھر اور سارا ساز و سامان فروخت کر رہی ہوں - اب میں اِس گھر میں نہیں رہوں گی - اپنا سارا قرضہ ادا کرنے کے بعد تمہارے گھر کے پاس ہی ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے لوں گی اور سکون کی زندگی گزاروں گی.

انّا : (اندر آتی ہے) حضور ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں

زرینہ : (مینو اور گوہر مرزا سے) ناظم صاحب آئے ہوں گے۔ میں تو اُن کا انتظار ہی کر رہی تھی۔ تم دونوں باغ میں ٹھہرو۔ میں ابھی آئی۔ تمہارے ساتھ ہی لکھنؤ چلی چلوں گی۔ پھر سب بیٹھ کر ایک دم سے تمام معاملات طے کر لینگے انّا اُن صاحب سے کہو اندر تشریف لے آئیں (مینو اور گوہر مرزا جاتے ہیں حامد حسین نقوی اندر آتا ہے)

نقوی : زرینہ سلطان آپ ہی ہیں؟

زرینہ : جناب عالی، اور حضور کا اسمِ مبارک؟

نقوی : بندے کو حامد حسین نقوی کہتے ہیں۔

زرینہ : حامد حسین نقوی!

نقوی : جی ہاں اور جاوید کا باپ۔

زرینہ : (ذرا پریشان ہو کر) مگر جاوید تو یہاں تشریف نہیں رکھتے۔

نقوی : میں جانتا ہوں۔ مگر مجھے تو آپ سے کچھ کہنا ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ ذرا غور سے سنیں۔ میرا لڑکا جاوید آپ کی خاطر اپنے آپ کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔

زرینہ : یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ دوسروں کی ہیں کے بارے میں یہ رائے نہیں۔ میں نے جاوید سے کبھی روپے پیسے کا مطالبہ نہیں کیا۔

نقوی : آپ کی عیش پسندی اور فضول خرچی کو زمانہ جانتا ہے تو آپ کا یہ مطلب ہے کہ میرا لڑکا اس قدر ذلیل اور کمینہ ہے کہ وہ آپ کی کمائی ہوئی دولت سے

یوں دادِ عیش دیتا ہے!

زرینہ: معاف فرمایئے بندہ پرور میں عورت ہوں اور اِس وقت آپ میرے غریب خانے پر تشریف فرما ہیں۔ آپ کی یہ طرزِ گفتگو حد درجہ نامناسب ہے اور میں اجنبیوں سے اِس قسم کی گفتگو سننے کو تیار نہیں۔

نقوی: پھر؟

زرینہ: میں اپنی خاطر نہیں۔ جناب کی خاطر اجازت چاہوں گی (اُٹھتی ہے)

نقوی: یقین نہیں آسکتا کہ آپ کے طبقے کی عورت تجھ مجھ سے سیکھ کر اس قدر مہذب ہو سکتی ہے ——— مگر مجھے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ آپ نہایت خطرناک انسان ہیں۔

زرینہ: خطرناک! بجا ارشاد فرمایا حضور نے مگر دوسروں کے لئے نہیں اپنے لئے خطرناک ضرور ہوں۔

نقوی: میں یہ سب نہیں جانتا۔ مگر جاوید آپ کی خاطر اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہے۔

زرینہ: جناب عالی۔ چونکہ آپ جاوید کے والد ہیں۔ میں آپ کا احترام کرتی ہوں مگر دست بستہ عرض کروں گی کہ جناب غلط فرما رہے ہیں۔

نقوی: تو پھر جو خط میرے وکیل نے مجھے لکھا ہے کیا اُس کا یہ مطلب نہیں کہ جاوید اپنی تمام جائیداد آپ کے نام منتقل کرنا چاہتے ہیں۔

زرینہ: میں جناب کو یقین دلاتی ہوں کہ اگر جاوید ایسا کر رہے ہیں تو یہ میرے علم میں نہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اگر وہ مجھے اپنی جائداد دینا بھی چاہیں گے تو میں اُسے لینے سے انکار کر دوں گی۔

نقوی: مگر آپ کے پیشے کا مطالبہ تو کچھ اور کہتا ہے!

زرینہ: حضور سچ فرماتے ہیں مگر پیشے کی بات ماضی کے ساتھ ختم ہوگئی۔

نقوی: اور اب؟

زرینہ: اب مجھے محبت ہوگئی ہے۔ وہ بے لاگ اور پر خلوص محبت جو پروردگار اپنے گنہگار بندوں کے دلوں میں اپنے کرم سے پیدا کرتا ہے۔

نقوی: آپ تو تصوف کے فقروں پر اتر آئیں!

زرینہ: اللہ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں۔ مجھ سی عورت کا کسی کو یقین بھی تو نہیں آتا۔ میں اپنی محبت کی اور اس چیز کی قسم کھاتی ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے کہ مجھے جاوید کے اس فیصلے کا علم نہیں۔

نقوی: جی، مگر روپیہ آخر کہیں سے تو آئے گا!

زرینہ: دیکھئے آپ مجھے مجبور کر رہے ہیں کہ جو بات میں آپ کو بتانا نہیں چاہتی وہ بتادوں۔ آپ جاوید کے والد ہیں اور میری نظر میں جناب کی رائے کی بہت اہمیت ہے اس لئے عرض کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کے صاحبزادے سے ملنے کے بعد مجھے اس کی آرزو ہے کہ میری محبت میں طوائف کی محبت کا شائبہ تک نہ ہو۔ بلکہ محض ایک عورت کی محبت ہو۔ اسی لئے میں نے اپنے جواہرات اپنا سب قیمتی سامان بیچ ڈالا ہے یا گروی رکھ دیا ہے۔ جب آپ تشریف لائے تو میں سمجھی کہ میرے ناظم اسی سلسلے میں آئے ہیں۔ انہیں کے ذریعے میں اپنا سامانِ عیش پسندی جس کی جانب آپ نے ابھی اشارہ فرمایا تھا بیچ رہی ہوں۔ اگر آپ کو

میری بات کا اعتبار نہ ہو تو لیجئے یہ کاغذات حاضر ہیں۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ میں نے یہ ڈھونگ آپ کی خاطر نہیں رچایا۔ مجھے تو آپ کے آنے کی اطلاع تک نہ تھی۔ (کاغذ دیتی ہے)

نقوی: (پڑھنے کے بعد) وکیل کے نام ہدایت کہ وہ سارا سامان فروخت کرنے کے بعد تمام قرض ادا کرے اور بقایا رقم آپ کو دے دے (حیرت سے) تو کیا مجھے کچھ غلط فہمی ہوئی؟

زرینہ: آپ کو یقیناً غلط فہمی ہوئی۔ یا آپ کو غلط اطلاع دی گئی۔ مجھے اس کا اقرار ہے کہ مجھ سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔ میرا ماضی درحقیقت بہت بھیانک اور سنگین ہے۔ مگر محبت میں گرفتار ہونے کے بعد میں ان تمام دھبوں کو اپنے خون کے آخری قطرے سے دھونا چاہتی ہوں۔ نہ جانے آپ نے میرے بارے میں کیا کیا سن رکھا ہوگا! مگر مجھے جاننے کے بعد شاید آپ اپنی رائے بدل دیں گے۔ یہ تبدیلی مجھ میں جاوید سے ملنے کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ انھیں مجھ سے محبت ہے۔ آپ بھی انھیں کی طرح رحمدل اور شریف ہوں گے۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ آپ ان سے میرے خلاف کچھ نہ فرمائیے۔ انھیں جناب سے اس قدر عقیدت ہے کہ آپ کی بات کا انھیں یقین آجائے گا۔ میں بھی آپکی عزت کرتی ہوں کیونکہ آپ جاوید کے والد ہیں۔

نقوی: زرینہ سلطان میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے علم نہ تھا کہ آپ اتنی خوبیوں کی مالک ہیں۔ مجھے جاوید کی خاموشی پر بے انتہا غصہ

تھا۔ اور اس کی ناخلفی کا ذمے دار میں آپ کو گردان رہا تھا۔ مجھے
معاف کر دیجیے۔

زرینہ: حضور، کنیز کو کیوں کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہیں!

نقوی: آپ کی خوبیوں کو دیکھتے ہوئے میں آپ سے ایک درخواست کرنا
چاہتا ہوں۔ آپ اپنی محبت کا جو آپ کو جاوید سے ہے، ایک عظیم
ثبوت دیں۔

زرینہ: للّٰلہ نقوی صاحب ابھی کچھ نہ فرمائیے گا۔ میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ
سے ایک بہت بڑا مطالبہ کرنے والے ہیں۔ میں تو پہلے ہی کھٹک گئی
تھی کہ ایسا ضرور ہو گا۔ یہ آسمان کب کسی کو خوش دیکھ سکتا ہے۔

نقوی: میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی کدورت نہیں۔ ہم دونوں دو
با اصول انسانوں کی طرح بیٹھ کر معاملے پر غور کریں گے۔ ہم دونوں
کو جاوید سے محبت ہے اور چاہتے ہیں کہ اس کی خاطر ایک دوسرے
سے بڑھ چڑھ کر قربانی دیں۔

زرینہ: بیشک!

نقوی: میں جانتا ہوں کہ آپ ایسی عظیم قربانی کی اہل ہیں جس کی مثال ملنا مشکل
ہے۔ زرینہ اس وقت میری حیثیت آپ کے باپ کی ہے وہ باپ
آپ سے اپنے دونوں بچوں کی بھیک مانگتا ہے۔

زرینہ: دونوں بچوں کی!

نقوی: ہاں زرینہ اپنے دونوں بچوں کی۔ میری ایک لڑکی بھی ہے حسین اور

لئے بہت تکلیف دہ ہوگا۔ مگر جناب کی خاطر میں اِس پر بھی راضی ہوں۔
میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہو۔ میں عارضی غم کو
مستقل مسرت پر قربان کرنے کو تیار ہوں۔ آپ جاوید کو اتنی اجازت
تو دیں گے کہ وہ مجھے اِس دوران میں خط لکھتے رہیں اور جب اُن کی
ہمشیرہ کی شادی ہو چکے تو ——

نقوی: شکریہ۔ لیکن میرا مطالبہ کچھ اِس سے زیادہ ہے!

زرینہ: بھلا اِس سے زیادہ اور کونسا مطالبہ ہوگا؟

نقوی: سُنئے۔ عارضی جدائی کافی نہیں۔

زرینہ: تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں جاوید کو بالکل چھوڑ دوں؟

نقوی: یہ اشد ضروری ہے۔

زرینہ: میں ایسا نہ کر سکوں گی۔ یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ آپ سُن رہے ہیں۔
کیا آپ نہیں جانتے کہ ہم ایک دوسرے کو کس قدر چاہتے ہیں؟ کیا
آپ یہ نہیں جانتے کہ میرا اِس دُنیا میں کوئی نہیں۔ نہ دوست نہ عزیز
نہ والدین۔ جاوید نے جب میرے ماضی کو نظر انداز کر کے مجھے اپنے
دل میں جگہ دی تو مجھے یقین ہو گیا کہ صرف یہ شخص میری ناکمل زندگی کو مکمل بنا سکتا
ہے۔ میری ہستی جاوید کی ہستی میں مدغم ہو گئی۔ نقوی صاحب میں آپ کو
حسینؑ کے خونِ ناحق کا واسطہ دیتی ہوں اتنا اور سمجھ لیجئے کہ میں دائم المریض
ہوں اور چند ہی برس اور جی سکتی ہوں۔ جاوید کو مجھ سے مت چھینئے
مجھے مار ڈالیئے۔

جوان۔ وہ ایک نوجوان سے منسوب ہو چکی ہے اُس نے اپنی محبت کی بنا پر بہت سی امیدیں قائم کر لی ہیں۔ عنقریب اُس کی شادی ہونے والی ہے۔ میں جاوید کو اِس کی اطلاع کر چکا ہوں۔ مگر انھیں آپ سے فرصت ہوتی تو جواب دیتے۔ اب تو میں بھی مر جاؤں تو انھیں خبر نہیں ہونے کی۔ میری بچی میری نجمہ ایک شریف نوجوان سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ وہ ایک عزت دار گھرانے کی بہو بننے والی ہے۔ یہ لوگ میرے گھرانے کو بھی باعزت دیکھنا چاہتے ہیں۔ زرینہ اِس دنیا کی کچھ روایات ہوتی ہیں۔ خاص طور پر ہمارے طبقے کی۔ آپ جاوید کی نظر میں ہزار پارسا بن جائیں اور میری نظر میں بھی۔ مگر دنیا آپ کو پارسا نہیں سمجھ سکتی۔ یہ دُنیا آپ میں سوائے آپ کے ماضی کے اور کچھ نہیں دیکھے گی۔ یہ سنگدلی سے آپ پر اپنے دروازے بند کر دے گی۔ نجمہ کے سسرال والوں کو جاوید کی طرزِ زندگی کی خبر ہو گئی ہے۔ اُنھوں نے ہم لوگوں کو دھمکی دی ہے کہ اگر جاوید کے یہی ڈھنگ رہے تو وہ منگنی توڑ دیں گے۔ محترمہ، ایک ایسی لڑکی کا مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جس نے آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔ میں آپ کو آپکی محبت کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میری بچی کے مستقبل کی بھیک میری جھولی میں ڈال دیجیے۔

زرینہ: یہ آپ کی عنایت ہے کہ آپ مجھ سے اِس شفقت سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ میں آپ کا منشا سمجھ گئی۔ آپ درست فرماتے ہیں۔ میں جاوید کو چھوڑ دوں گی اگرچہ تھوڑے عرصے کے لئے بھی جاوید کو چھوڑنا میرے

نقوی: بس بس اِسقدر جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ واقعات کو یوں بڑھا چڑھا کر دیکھنا درست نہیں۔ آپ جوان ہیں حسین ہیں۔ اپنی ہیجانی زندگی کی تھکن کو بیماری تصور کر رہی ہیں۔ آپ انشاء اللہ دل بھر کے جیئیں گی۔ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ سے ایک عظیم قربانی کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ مگر یہ قربانی تو آپ کو کبھی نہ کبھی دینا ہی ہوگی۔ آپ کی اور جاوید کی ملاقات محض تین ماہ پرانی ہے۔ اِتنی مختصر سی محبت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کا پورا مستقبل ختم کر کے رکھ دے۔ آپ جاوید کی تمام زندگی تباہ کر رہی ہیں۔ کیا آپ محبت میں ثابت قدم رہنے کا دعویٰ کر سکتی ہیں۔ کیا آپ اپنے آپ کو اِس قسم کا دھوکا پہلے کئی بار نہیں دے چکیں۔ فرض کیجیے کہ دفعتاً یا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد آپ کو یہ احساس ہو کہ اب میرے لڑکے سے آپ کو محبت نہیں رہی کسی اور سے ہے۔ معاف فرمائیے کہ میں ماضی کی روشنی میں اِس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور ہوں۔

زرینہ: میرے محسن یہ ناممکنات میں سے ہے۔ مجھے آج تک کسی شخص سے محبت نہیں ہوئی۔ نہ آئندہ ہونے کا امکان ہے۔

نقوی: شاید صحیح ہو، اگر آپ خود کو دھوکا نہ دے رہی ہوں۔ مگر یہ تو فرمائیے کہ کوئی نوجوان بھی اِس عمر میں صحیح اور اٹل فیصلہ کر سکتا ہے؟ آپ میرے لڑکے کی خاطر اپنے کو قربان کرنا چاہتی ہیں۔ اگر وہ آپ کی اِس قربانی کو قبول کرتا ہے تو کیا وہ اِس کا جواب دے پائے گا۔ ممکن ہے جوانی کے جوش میں کچھ عرصے کے لئے وہ ایسا بھی کر گزرے۔ مگر اس کے

بعد جب اُس کا دل آپ سے بھر جائے گا تب کیا ہو گا؟ یا تو وہ عام انسانوں کی طرح آپ کے ماضی سے دل برداشتہ ہو جائے گا اور آپ کو چھوڑ کر چل دے گا یا آپ کو محض داشتہ بنا کر رکھے گا۔ یا مجبوراً آپ سے نکاح کرے گا۔ مگر اس شادی کی بنیاد پاکدامنی پر نہیں ہو گی۔ اسے مذہب کی پناہ نصیب نہ ہو سکے گی۔ اس تعلق کا انجام گھر بار اور بچے نہیں ہوں گے۔ ان تمام باتوں کو ایک نوجوان تو نظر انداز کر سکتا ہے مگر بزرگ اور سمجھدار لوگ اسے کبھی معاف نہیں کریں گے۔ جاوید پر زندگی کی سب راہیں بند ہو جائیں گی۔ میری بیس برس کی محنت اور ریاضت مٹی میں مل جائے گی۔ جاوید میرے لئے تقویت کا باعث نہ بن سکے گا۔ آپ دونوں کا تعلق پاک جذبات کا نتیجہ نہیں ہے۔ دو معصوم دلوں کی ہم آہنگی نہیں۔ یہ بدترین قسم کی ہوس اور حیوانیت کا مطالبہ ہے جو ایک شخص کے تلوّن اور دوسرے کے تخیّل سے پیدا ہوتا ہے۔ جب آپ جوان نہ رہیں گی تو کیا ہو گا۔ کیا آپ یقین سے کہہ سکتی ہیں کہ آپ کے ماتھے کی پہلی جھرّی جاوید کی آنکھوں پر پڑے ہوئے پردوں کو تار تار نہیں کرے گی۔ کیا آپ کے شباب کے خاتمے کے ساتھ ساتھ جاوید کا خیالی پیکر پاش پاش نہیں ہو جائے گا۔ بولئے؟

زرینہ: آہ! افسوس کہ حقیقت یہی ہے۔

نقوی: ذرا اپنی ضعیفی کی تصویر کھینچئے۔ اُس بیکاری اور تنہائی میں آپ کے پاس جوانی کی کونسی نشانی کونسی یادگار ہو گی۔ آپ کی زندگی کا حاصل

کیا ہوگا؟ آپ کا اور جاوید کا راستہ الگ الگ ہے۔ اِن راستوں کو تقدیر نے کچھ عرصے کے لئے ایک کر دیا تھا۔ مگر عقل و شعور نے پھر علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ یہ زندگی آپ نے اپنے لئے بے سوچ سمجھے تجویز کر لی تھی۔ انجام کو نظر انداز کر کے۔ آپ تین بہنیں خوش رہیں۔ اِن تین بہنوں کی یاد کو خوشگوار رہنے دیجیے۔ جب آپ کی محبت قائم رہنے والی چیز نہیں تو کم از کم اِس کی خوش آئند یاد کو اپنے دل میں ہمیشہ کے لئے بسنے دیجئے۔ تاکہ آپ کے لئے باعثِ تقویت بن سکے۔ اِس محبت سے آپ کو بس اتنا ہی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ آپ کی زندگی میں ایک ایسا وقت آئے گا جب آپ اپنے اِس ایثار پر ناز کریں گی۔ خود اپنی نظروں میں آپ کی عزت بڑھ جائے گی۔ میں ایک تجربہ کار مرد کی حیثیت سے آپ کو یہ مشورہ دے رہا ہوں۔ زرینہ یہ آپ کے امتحان کا وقت ہے۔ اُٹھئے اور اپنی محبت کا ثبوت دیجیے۔

زرینہ: اللہ! آپ کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سچ ہے۔ یہی باتیں تو سینکڑوں بار میں بھی آپ سے کہہ چکی ہوں۔ چونکہ خود ہی کہتی اور خود ہی سنتی تھی تو ہمیشہ یہ کوشش کی کہ پوری بات نہ سنوں۔ آپ بالکل وہی گفتگو دہرا رہے ہیں۔ آپ نے مجھے اپنی اولاد کا واسطہ دیا ہے۔ ایک درخواست میری بھی ہے۔ ایک روز آپ اُس خوش نصیب دوشیزہ سے جس کی خاطر میں اپنی خوشی کا خون کر رہی ہوں کہیے گا کہ ایک دفعہ ایک عورت تھی جس کی زندگی میں سے لے دے کر صرف ایک امید صرف ایک ارمان صرف ایک

خواب تھا اور کس طرح اُس بدنصیب نے تمہاری خاطر اپنا سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ اپنے ہاتھوں سے اپنا دل مسل ڈالا۔ میں جانتی ہوں کہ اِس صدمے کے بعد میرا جینا محال ہے۔ شاید غفور الرحیم کو اِسی صورت میری مغفرت منظور ہو!

نقوی: (جذبات کے ساتھ) زرینہ!

زرینہ: آپ کو مجھ پر رحم آ رہا ہے یہ آپ کا کرم ہے۔ آپ کی شفقت مجھ میں وہ ہمت اور قوت پیدا کر دے گی جو آپ چاہتے ہیں کہ مجھ میں ہو۔ آپ کا حکم ہے کہ میں جناب کے صاحبزادے کو اُن کی عزت اور مستقبل کی خاطر چھوڑ دوں۔ آپ فرمائیے میں "یہ" کیونکر کروں۔ میں حاضر ہوں!

نقوی: آپ جاوید کو یقین دلا دیجیے کہ آپ کو اُن سے محبت نہیں۔

زرینہ: (مسکرا کر) اِس کا یقین انھیں ہرگز نہیں آ سکتا!

نقوی: تو پھر آپ کہیں روپوش ہو جائیے۔

زرینہ: وہ میرا پیچھا کریں گے۔

نقوی: تو پھر!

زرینہ: کیا آپ کو یقین کامل ہے کہ مجھے جاوید سے محبت ہے اور میری محبت میں خود غرضی کا شائبہ نہیں؟

نقوی: یقین کامل ہے۔

زرینہ: تو پھر ایک بار مجھے اپنی بیٹی سمجھ کر پیار کر لیجئے۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ آپ کی شفقت مجھے اپنی محبت پر فتح پانے کی قوت بخشے گی۔ اور ایک

ہفتہ کے اندر ہی اندر آپ کا جاوید آپ کو واپس مل جائے گا۔ شاید چند روز تک وہ بے حد بے چین و بے قرار رہیں گے۔ مگر پھر ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائینگے۔ میں حلف اٹھاتی ہوں کہ انھیں اِس بات کا علم نہ ہوگا کہ میرے اور آپ کے درمیان کیا گفتگو ہوئی۔

نقوی: (زرینہ کی پیشانی کو بوسہ دیتا ہے) مجھے خوف ——

زرینہ: آپ فکر نہ کریں انھیں میرے نام سے بھی نفرت ہو جائے گی (پکار کر) کوئی ہے! (انّا اندر آتی ہے) پروین کو بھیج دو۔

انّا: بہت خوب حضور (جاتی ہے)

زرینہ: اب ایک آخری درخواست!

نقوی: فرمائیے میں حاضر ہوں۔

زرینہ: چند گھنٹوں کے بعد جاوید اتنے پریشان اور ہراساں ہوں گے کہ تمام عمر نہ ہوئے ہوں گے۔ اُس وقت انھیں کسی مونس و غمخوار کی ضرورت ہوگی۔ میں آپ کو خاتونِ جنت کا واسطہ دیتی ہوں کہ آپ ایسے میں انھیں تنہا نہ چھوڑیں۔ اچھا خدا حافظ۔ اب وہ آتے ہی ہوں گے۔ اگر اُنھوں نے آپ کو یہاں میرے پاس بیٹھے دیکھ لیا تو معاملہ بگڑ جائیگا۔

نقوی: مگر آپ کیا کریں گی؟

زرینہ: اگر آپ کو نہ بتاؤں تو ——

نقوی: اِس کی ضرورت نہیں۔ مگر یہ بتا دیجئے کہ میں آپ کے احسان کا بدلہ کیونکر چکاؤں؟

زرینہ : میری موت کے بعد جب جاوید کو میری یاد تک سے نفرت ہو جائے تو انھیں بتا دیجیے گا کہ میں انھیں کس قدر چاہتی تھی اور اپنی محبت کا میں نے کیا ثبوت دیا۔ شاید کوئی آ رہا ہے۔ خدا حافظ میرے کرم فرما۔ اب شاید ہم ایک دوسرے سے کبھی نہ مل پائیں۔ خدا آپ کو جاوید کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔ فی امان اللہ۔

(لقوی جاتا ہے) آہ میرے مولا مجھے ہمت دیجیو (لکھتی ہے) قیصر۔

پروین : (اندر آ کر) تم نے مجھے یاد کیا۔

زرینہ : (لکھتے ہوئے) پروین میرا ایک کام تو کر دو۔

پروین : بتاؤ۔

زرینہ : ذرا ایک کو میرا خط تو پہنچا آؤ۔

پروین : کسے ؟

زرینہ : (لفافہ دیتے ہوئے) دیکھ لو۔ (پروین حیرت میں ہے کچھ کہنا چاہتی ہے) کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ جلدی جاؤ (پروین جاتی ہے) میرے مولا (لکھتی ہے) جاوید (قلم رکھ دیتی ہے) ہائے کس دل سے لکھ پاؤں گی ! ناممکن ہے ناممکن ! جاوید (جلدی جلدی لکھتی ہے)

جاوید : (اندر آتا ہے زرینہ کے قریب پہنچ کر) آپ یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہیں !

زرینہ : (اٹھتی ہے خط چھپا لیتی ہے) جاوید، آپ ! کچھ نہیں، کچھ نہیں کر رہی۔

جاوید : آپ کچھ لکھ رہی تھیں ؟

زرینہ : نہیں۔ ہاں۔

جاوید: آپ اس قدر گھبرائی ہوئی کیوں ہیں۔ آپ کے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں۔ آپ کسے خط لکھ رہی تھیں۔ لائیے مجھے دیجئے خط!

زرینہ: یہ خط آپ ہی کے نام ہے۔ مگر مجھ سے دینے کے لئے مت کہیئے۔

جاوید: میرے خیال میں ہم اس قسم کی رازداریاں تو ختم کر چکے تھے!

زرینہ: معلوم ہوتا ہے نہ رازداریاں ختم ہوئیں نہ شبہات۔

جاوید: مجھے معاف کر دیجئے میں اس وقت حد درجہ پریشان ہوں۔

زرینہ: کیوں پریشان ہیں آپ کے دشمن؟

جاوید: میرے والد تشریف لائے ہیں۔

زرینہ: تو کیا آپ ان سے مل لئے؟

جاوید: نہیں ابھی نہیں۔ مگر سخت ڈانٹ کا خط لکھ کر چھوڑ گئے تھے۔ ابا جان کو ہمارے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ اور آج رات یہاں تشریف بھی لا رہے ہیں۔ ہزار قسم کے سوال کریں گے۔ اللہ جانے ان تک کیا کیا الٹی سیدھی خبریں پہنچی ہوں گی۔ مگر آپ سے ملنے کے بعد میرا ایمان ہے کہ وہ آپ پر فریفتہ ہو جائیں گے اور سب کچھ معاف کر دیں گے۔

زرینہ: آپ انھیں بیکار ناراض کر رہے ہیں۔ ابھی آپ کہہ رہے تھے کہ وہ یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ شاید آتے ہی ہوں۔ میں ادھر ادھر ہوئی جاتی ہوں۔ تاکہ وہ چھوٹتے ہی مجھے نہ دیکھیں۔ میں تھوڑی دیر بعد آ جاؤں گی اُن کے قدموں پر گر کر درخواست کروں گی کہ وہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہ کریں۔

جاوید: آج آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ یہ ماجرا کیا ہے۔ میری غیر موجودگی میں
یہاں کیا ہو رہا تھا۔ جو خبر میں نے آپ کو سنائی ہے۔ اس سے آپ کی
یوں ہوائیاں نہیں اڑ سکتیں۔ ایسے آپ لڑکھڑا رہی ہیں۔ ضرور کوئی نہ کوئی
بات ہوئی ہے۔ میں وہ خط دیکھنا چاہتا ہوں (خط کیلئے ہاتھ بڑھاتا ہے)

زرینہ: (روکتے ہوئے) یہ خط میں آپ کو ابھی نہیں دے سکتی۔ بعض باتیں ایسی
ہوتی ہیں جو زبانی بیان نہیں کی جا سکتیں یا کوئی خط ایسا ہوتا ہے جو لکھنے
والے کے سامنے نہیں پڑھا جا سکتا۔ میری جان یہ خط میری محبت کا ایک
عظیم ثبوت ہے۔ اس کی ایک عظیم دلیل۔ یہ میں آپ کے سر عزیز کی قسم
کھا کر کہتی ہوں۔ بس اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہلوائیے۔

جاوید: تو پھر اس خط کو اپنے ہی پاس رہنے دیجئے۔ بہ وین نے مجھے تمام صورت
حال آج صبح ہی بتا دی تھی۔ اسی لئے تو میں گھبرا کر لکھنؤ پہنچا۔ میں خوب
جانتا ہوں کہ آپ میرے لئے اپنا سب کچھ قربان کر سکتی ہیں۔ آپ اپنی
اور میری مسرت کا سامان کر رہی ہیں اور میں بھی اسی مسرت کی خاطر
جان تک کی بازی لگانا چاہتا ہوں۔ تمام انتظامات مکمل ہو گئے ہیں کیوں
یہی راز تھا نا جسے آپ بتانے سے انکار کر رہی تھیں! زرینہ میری سمجھ
میں نہیں آتا کہ میں آپ کی محبت کا جواب کیونکر دے پاؤں گا۔

زرینہ: اب آپ جب سب کچھ جان گئے جاوید تو مجھے جانے دو۔

جاوید: جانے دوں؟

زرینہ: بس تھوڑی دیر کے لئے۔ جب آپ کے والد صاحب آئیں گے، تو میں

دوسرے کمرے میں بیٹھ کر ٹینو اور گوہر سے باتیں کروں گی۔ بھلا میں آپ کو چھوڑ کر کہاں جاتی۔ آپ کے والد شاید بہت برہم ہوں۔ آپ انھیں اگر منالیں گے تو سب مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ پھر ہم دونوں ساتھ رہیں گے۔ ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار۔ بالکل جیسے پچھلے تین مہینوں میں۔ آپ بھی خوش رہے نا؟ میری کوئی بات ناگوار تو نہیں گزری؟ آپ اگر مجھے اس کا یقین دلا دیں گے تو مجھے بڑی مدد ملے گی۔ اگر میری وجہ سے آپ کو کوئی رنج پہنچا ہو تو مجھے معاف کر دیجیے! میں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔ میں دنیا میں کسی اور کو اتنا نہیں چاہتی جتنا آپ کو، آپ کو بھی مجھ سے محبت ہے نا؟ اگر میں اپنی محبت کا کوئی ثبوت دوں تو آپ اس کی وجہ سے مجھ سے نفرت نہ کریں نہ ذلیل سمجھیں!

جاوید: (روتا دیکھ کر) آپ رو رہی ہیں؟

زرینہ: نہیں، کبھی کبھار تھوڑی سی گریہ وزاری سود مند ہوتی ہے اب دیکھیے میں بالکل ٹھیک ہوں۔ لیجیے خدا حافظ۔ میں یہیں قریب کے کمرے میں بیٹھی گوہر اور ٹینو سے باتیں کروں گی۔ یہیں پاس ہی ہوں۔ ہمیشہ آپ کے قریب۔ آپ کے ادنیٰ سے اشارے پر آپ تک پہنچنے کو بیقرار۔ دیکھیے اب میں مسکرا رہی ہوں۔ میری جان ابھی ابھی واپس آتی ہوں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے (جاوید کے قریب جا کر پلٹتی ہے پھر جلدی سے چلی جاتی ہے)

جاوید: (آگے بڑھ کر ایک مسودہ اٹھاتا ہے) زرینہ کی کتاب کا مسودہ (پڑھتا ہے)

"میں تم سے قسم کھا کر کہتی ہوں میری جان میرے مالک مختار کہ میں تمھیں

دیوانہ وار چاہتی ہوں۔ مگر نہ جانے تم کیوں نہیں سمجھتے کہ جن حالات میں
سے ہم گزر رہے ہیں اُن میں وفاداری ایک بیکار اور مہمل صفت ہے۔ کیا
تمہارے خیال میں کوئی فاقے کش اور بھوکا کبھی جذباتی ہو سکتا ہے۔ مجھے
تم سے بے پناہ محبت ہے بس تم صرف اِس سے سروکار رکھو اور باقی تمام
مسائل مجھ پر چھوڑ دو۔" (مسودہ پھینک کر) درست ہے درست کہہ رہی
ہو۔ مگر عشقِ صادق دلیلیں پیش نہیں کیا کرتا۔ (پکار کر) کوئی ہے؟
بہت وقت ہو چکا اب والد صاحب نہیں آئیں گے (انا آتی ہے) زرینہ
سے کہو اندر تشریف لے آئیں۔

انّا : (گھبرا کر ایک خط دیتی ہے) حضور، بیوی تو سوار ہو گئیں۔ یہ خط حضور کیلئے
چھوڑ گئی ہیں۔

جاوید : کیا پروین بھی ساتھ ہے؟

انّا : جی سرکار۔ دونوں ایک ہی ساتھ سوار ہوئی تھیں (خط دیکر چلی جاتی ہے)

جاوید : عقل کام نہیں کر رہی (جھجکتے ہوئے خط کھولتا ہے۔ اتنے میں نقوی اندر
آتا ہے۔ جاوید کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے جاوید خط پڑھتا ہے) "جاوید
جب آپ کو یہ خط ملے گا تو ——— (غصے میں چیختا ہے مڑ کر
دیکھتا ہے تو باپ کھڑا ہے روتا ہوا باپ سے لپٹ جاتا ہے) ابا جان!
ابا جان!!

(پردہ)

تیسرا ایکٹ

الماس کا بالاخانہ۔ ذرا ضرورت سے زیادہ سجا ہے۔ نورالحسن۔ اکبر حکیم جی، پیر دین۔ انیسہ خانم۔ مینو۔ گوہر مرزا اور کچھ مہمان ہیں شطرنج ہو رہی ہے۔

نورالحسن: بڑھیے حضرت بڑھیے۔

اکبر : جناب عالی دو ماتیں کھا چکے ہیں اور آپ کے صرف دو رُخ رہ گئے ہیں۔ اور ہمارے پاس ہے فیل۔ کیا اب بھی مات دینے کے ارادے ہیں؟

نورالحسن: دنیا اُمید پر قائم ہے بندہ پرور

اکبر : اماں کہاں کی امید اور کدھر کی دُنیا۔ کیا کھا کے دیں گے مات!

نورالحسن: واہ قبلہ واہ!

اکبر : تب جانیں کہ مات کر دیجئے!

حکیم : (نقشے کو غور سے دیکھ کر) ہم سے پوچھو تو محال ہے۔ اِس نقشے میں مات ہی نہیں۔

انیسہ خانم: واہ حکیم صاحب آپ بھی عجیب باتیں کرتے ہیں۔ مات نہ ہونا چہ معنی۔ دو رُخ ہوں اور مات نہ ہو؟

پروین: کھیل سمجھتی نہیں اور چلیں حکم لگانے ذرا دینا تو بڑھ کر مات۔

حکیم: انیسہ خانم ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ بڑھ کر دیجئے مات۔ زبانی جمع خرچ سے مات نہیں ہوا کرتی۔

اکبر: بس انھیں نکلنے نہ دیجئے ایک رُخ یہ بٹھا دیجئے۔ پٹی بند ہوگئی۔ دوسرا رُخ اس مقام پر آجائے فیل اُٹھ نہ سکے گا۔ بادشاہ کو آگے بڑھ جائے بس مات ہے۔ ہے یا نہیں!

نورالحسن: اماں توبہ کرو۔ ہم تو گویا آج گھر سے گھاس کھا کر آئے ہیں۔

حکیم: بندہ پرور اس نقشے میں مات ہو ہی نہیں سکتی۔

نورالحسن: تعجب ہے۔ اچھا غور کر لیں۔

اکبر: بسم اللہ۔ بسم اللہ جی چاہے تو کل صبح تک بیٹھے غور فرمایا کیجئے۔

انیسہ: غضب خدا کا دو رُخ ہوں اور مات نہ ہوسکے۔

اکبر: اِن کا جی چاہے تو یہ دو رُخ اور رکھ لیں۔ مگر مات نا ممکن ہے۔

پروین: انیسہ اب کہو۔ اب بھی مانو گی یا نہیں؟

انیسہ: (نورالحسن سے) حضور فرمائیں تو کچھ عرض کروں۔

اکبر: عرض طول کو چھوڑیئے۔ مات کی بات کیجئے۔

انیسہ: بندی ایسی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہے۔ نورالحسن مٹھائی کھلوائیں تو بتاؤں گی مات ہوگی کیسے نہیں!

حکیم : اجی بیکار کی حجت بازی ہے اِس نقشے میں مات ہی نہیں۔

پروین : ٹھیک تو فرماتے ہیں حکیم صاحب

نورالحسن : (غور سے دیکھ کر) اماں سچ تو ہے واقعی اِس نقشے میں مات نہیں۔

اکبر : حضرت وہ تو آپ کو یاد ہی ہوگا۔ شاہ دو رُخ بدہ و دلارام را دہ
پیل و پیادہ پیش کن و اسپ گشت مات

نورالحسن : ہاں یاد کیوں نہ ہوتا۔

اکبر : اماں آئیے ایک اور ہو جائے۔

حکیم : نورالحسن صاحب ایک ہے آپ پر۔

نورالحسن : اماں ابھی ابھی فاضل کئے دیتا ہوں۔ دیکھتے جائیے۔

اکبر : بجا ہے (بازی بچھائی جاتی ہے)

پروین : بھئی طبیعت بھیانک ہوگئی۔ کچھ گانا ہونا چاہیئے۔

حکیم : واللہ کوئی پھڑکتی ہوئی چیز ہو۔

الماس : (گوہر مرزا کے ساتھ آتی ہے) اُفوہ ابھی تک شطرنج چل رہی ہے۔

مہمان : میزبان جب گھر پہ نہ ہو تو مہمان دل کیسے بہلائیں!

نورالحسن : الماس کہاں غائب تھیں۔ قسم ہے جناب امیرؑ کی تمہارے بغیر محفل پر
جوبن نہیں آتا۔

الماس : اے یہ حضور کی ذرہ نوازی ہے ورنہ لونڈی کس قابل ہے۔ آپ لوگ
کھیلیں تو ہم بدیں گے۔ گوہر مرزا ذرا دینا تو سو روپے۔ ہم اِن کی بازی
پر شرط لگائیں گے (گوہر مرزا روپے دیتا ہے)

نورالحسن: قسم حضرت عباسؑ کی جو لطف تمہاری بارہ دری میں ہے وہ لکھنؤ میں اور کہیں نہیں۔

اکبر: مگر یہ مرثیے داری غریب گوہر مرزا کو بڑی مہنگی پڑتی ہوگی!

الماس: انہیں کیا۔ اِن کی جورو کو مہنگی پڑتی ہوگی۔

گوہر مرزا: (حکیم صاحب سے) قبلہ میں کئی دن سے حاضر ہونے کی سوچ رہا ہوں مجھے کچھ روز سے ایک عجیب سا مرض ہو گیا ہے۔ ایک دم سے غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

حکیم: یہ نہیں ہو گا تو اور کیا ہو گا؟

الماس: حکیم صاحب ذرا ہم بھی سنیں یہ گوہر مرزا آپ سے کیا راز داریاں کر رہے ہیں؟

حکیم: اِن کا خیال ہے کہ اِن کے دماغ پر کچھ اثر ہو گیا ہے۔

الماس: بھلا یہ بھی کیا کتھا لے کر بیٹھ گئے۔ کوئی گانے بجانے کی بات کیجیے!

حکیم: بھئی ہم تو تمہارے آنے سے پہلے ہی فرمائش کر چکے ہیں۔

مہمان: کوئی میر یا غالب کی چیز ہو۔

الماس: اے ہے اِس وقت آپ نے غالب کی یاد اچھی دلائی۔ زرینہ آپا بھی تو آ رہی ہیں!

نورالحسن: اور جاوید؟

پروین: اے لو جاوید لکھنؤ میں کہاں۔ کیا آپ کو ان کے قصے کی خبر نہیں؟

نورالحسن: کونسا قصہ؟

پروین: زرینہ اور جاوید کا قصہ!

انیسہ : سچ کہہ رہی ہیں۔

پروین : زرینہ نے جاوید کو چھوڑ دیا۔

نورالحسن : بھئی یہ کب ہوا۔ اماں ہم نہ جانے کونسی دنیا میں بستے ہیں!

انیسہ : یہی کوئی مہینہ بھر ہوا ہوگا۔ زرینہ آپا نے خوب کیا۔

نورالحسن : کیوں!

انیسہ : عورت اگر سمجھدار ہے تو اُسے چاہیئے کہ مرد کو چھوڑ کر بھاگ لے۔ اِس سے پیشتر کہ مرد اُسے چھوڑے۔

اکبر : اماں شطرنج کھیلو۔

نورالحسن : جناب کے خیال میں کیا شطرنج ساری رات چلے گی؟

اکبر : چلنے کو رات دن چل سکتی ہے (شطرنج کھیلتے ہیں)

گوہر : میرے خیال میں تو گانا ہو جائے۔

پروین : (جاوید کو اندر آتا دیکھ کر) اے لو جاوید میاں تشریف لے آئے۔

نورالحسن : بڑی لمبی عمر ہے تمھاری، اماں تمھارا ہی ذکر ہو رہا تھا۔

جاوید : ہم بھی سُنیں۔

پروین : ہم تو سمجھے تھے کہ تم بریلی میں ہو!

جاوید : آپ کا خیال غلط ثابت ہوا!

نورالحسن : کب آئے؟

جاوید : یہی کوئی دو تین گھنٹے ہوئے۔

پروین : کہو کیا حال ہے۔ کوئی نئی بات سناؤ!

جاوید: ہم کیا سنائیں گے نئی بات۔

پروین: زرینہ سے ملے؟

جاوید: نہیں۔

پروین: لکھنؤ میں ہیں، ملو گے؟

جاوید: (روکھے پن سے) مل لیں گے۔

پروین: اِس بے نیازی کے لہجے میں کیوں؟

جاوید: تو اور کس لہجے میں کہوں؟

پروین: معلوم ہوتا ہے دل کے زخم بھر آئے ہیں۔

جاوید: جی۔

پروین: تو کیا زرینہ کا خیال تمھیں کبھی نہیں آتا؟

جاوید: اگر یہ کہوں کہ کبھی نہیں آتا تو جھوٹ ہوگا۔ مگر زرینہ نے اِس سنگدلی سے مجھے ٹھکرایا کہ مجھے اپنی محبت پر حماقت کا یقین ہوگیا۔ پروین میں زرینہ کو بہت چاہتا تھا۔

پروین: تم کیا چاہتے تھے۔ زرینہ کا بھی تو تم پر دم جاتا تھا۔ مگر قسم حسینؑ کی بڑی خیر ہوئی کہ بروقت چھوٹ چھٹاؤ ہوگیا۔ ورنہ وہ غریب تو کوڑی کوڑی کو محتاج ہو جاتی۔

جاوید: مگر اب تو اِس نقصان کی پوری پوری تلافی ہوگئی ہوگی؟

پروین: تلافی سے بہت زیادہ۔

جاوید: اور قیصر حسین صاحب کی عنایت سے۔

پروین: جی۔

جاوید: جو ہوا سو خوب ہوا۔

پروین: قیصر تقدیر کے بہت دھنی نکلے۔ زرینہ کو حاصل کر کے رہے۔ اُنھوں نے اُس کا پچھلا چھلا بنیوں کے ہاں سے چھڑوا دیا۔ سب سر و سامان جوں کا توں گھر واپس آگیا۔ اور جہاں تک زرینہ کی خوشی کا سوال ہے وہ بھی خوش ہے۔

جاوید: تو کیا زرینہ لکھنؤ میں ہیں؟

پروین: اور کہاں جائیں! تمھارے چلے آنے کے بعد اُنھوں نے علاقے کا رخ نہیں کیا۔ بلکہ میں ہی جا کر ان کا تمام سامان لے آئی۔ لو سامان سے یاد آیا تمھاری بہت سی چیزیں میرے ہاں رکھی ہیں۔ کسی کو بھیج کر منگوا لینا تمھارا ایک بستہ جس پر تمھارا نام لکھا تھا وہ زرینہ ہی نے رکھ لیا ہے کہو تو واپس لا دوں؟

جاوید: (جذبات کے ساتھ) نہیں نہیں وہ اُنہیں کے پاس رہنے دو۔

پروین: سچ پوچھو تو زرینہ اِس قدر بدل گئی ہے کہ تم دیکھو تو پہچان نہ پاؤ گے رات رات بھر جاگ کر گزار دیتی ہے۔ نیند کا نام نہیں۔ پچھلے ہفتے تو دشمنوں کی طبیعت ایسی بگڑی کہ حکیم صاحب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اُنھوں نے چار پانچ روز تک پلنگ سے قدم نہیں اتارنے دیا۔ مگر جیسے ہی طبیعت سنبھلی پھر وہی رت جگے شروع ہو گئے۔ کہاں کی نیند اور کیسا آرام! معلوم ہوتا ہے اپنی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہے

تم اُس سے ملوگے؟

جاوید: کیا فائدہ، جھوٹی سچی باتیں کون بیٹھ کر سُنے۔ پروین میں تو ماضی کو دفنا چکا۔ خدا اُس کی مغفرت کرے۔ اگر مغفرت کے قابل تھا۔

پروین: اِس وقت ایسی سمجھداری کی بات کی ہے کہ واللہ جی خوش ہو گیا۔

جاوید: (گوہر مرزا کو اندر آتے دیکھ کر) معاف کرنا پروین مجھے گوہر مرزا سے ذرا سا کام تھا۔

پروین: ضرور ضرور (شطرنج دیکھ کر) نقشہ تو بُرا نہیں۔

جاوید: (گوہر مرزا کے پاس جاکر) خدا خدا کر کے مُلاقات ہوئی۔ میرا خط ملا؟

گوہر: تبھی تو آیا ہوں۔

جاوید: میرا خط پاکر تمھیں حیرت تو ہوئی ہوگی کہ تم سے کیا مشورہ لینا چاہتا ہوں؟

گوہر: واقعی حیرت ہوئی۔

جاوید: زرینہ سے کب سے نہیں ملے؟

گوہر: آخری دفعہ وہی تمھارے ساتھ علاقے میں۔

جاوید: تو پھر تمھیں کیا معلوم ہو سکتا ہے!

گوہر: بالکل کچھ نہیں۔

جاوید: گوہر مرزا کیا تمھیں اِس بات کا یقین ہے کہ زرینہ کو مجھ سے محبت تھی؟

گوہر: میرا ایمان ہے۔

جاوید: (خط دے کر) ذرا اِسے پڑھو۔

گوہر: (پڑھتا ہے) یہ زرینہ نے لکھا ہے؟

جاوید: جی زرینہ نے لکھا ہے

گوہر: کب؟

جاوید: ایک مہینہ ہوا۔

گوہر: اِس خط کا تم نے کیا جواب دیا۔

جاوید: جواب ہی کیا دینا تھا۔ اس خبر نے مجھے بالکل دیوانہ کر دیا۔ تمھیں اندازہ نہیں گوہر کہ مجھے زرینہ سے کس قدر محبت تھی۔ اور انھیں مجھ سے کس قدر عشق تھا۔ یا ممکن ہے یہ محض میری خوش فہمی ہو۔ مگر اس کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ وہ مجھے یوں تباہ و برباد کر دیں گی۔ اِن عورتوں کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ اِس سانحے کے بعد دُنیا میری آنکھوں میں اندھیر ہو گئی اِس اندھیرے میں مجھے سہارے کی ضرورت تھی۔ کیا کرتا چار و نا چار اپنے آپ کو ابا جان کے سپرد کر دیا۔ وہ مجھے اُٹھا کر اپنے ساتھ بریلی لے گئے۔ شروع شروع میں تو مجھے خیال ہوا کہ میں وہاں سکون سے رہ سکوں گا۔ مگر دو چار روز کے بعد ہی گھر کاٹنے کو دوڑنے لگا میری راتوں کی نیند حرام ہو گئی اور دم گھٹنے لگا تو وہاں سے بھاگ نکلا۔ مجھے اس عورت سے بے پناہ محبت تھی۔ میں اُسے اپنے دل و دماغ سے نوچ کر نہ پھینک سکا۔ زندگی کے دن کاٹنا مشکل ہو گئے۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں نے زرینہ کو اگر نہ دیکھا تو میں مر جاؤں گا۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ وہ مجھے یقین دلا دیں کہ انھوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ سچ تھا۔ میں یہاں اِسی غرض سے آیا ہوں۔ نہ معلوم کیا ہونے والا ہے۔

گوہر مجھے شاید تمھاری امداد کی ضرورت ہو!

گوہر: تمھارے لئے میری جان حاضر ہے۔ مگر جاوید خدا کے واسطے سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا۔ اِس معاملے میں ایک عورت کا پاؤں اُلجھا ہے عورت کو نقصان پہنچانا انتہا درجے کی بزدلی ہوگی۔

جاوید: یہی تو کہ اُن کا عاشق اِن کی حفاظت کریگا۔ تم فکر نہ کرو میں اس پاجی سے سُلجھ لوں گا۔

مہمان: (زرینہ اور قیصر کو آتے دیکھ کر) زرینہ اور قیصر آ گئے!

الماس: (زرینہ سے) اللہ آپا راستہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں تھک گئیں۔

قیصر: بھئی ذرا ناٹک دیکھنے چلے گئے تھے (بڑھ کر کسی کو تسلیم کرتا ہے کسی سے مصافحہ)

پروین: (زرینہ سے) کہو کیسی ہو؟

زرینہ: اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، زندہ ہوں۔

پروین: (آہستہ سے) جاوید یہیں ہیں۔

زرینہ: (پریشان ہو کر) جاوید!

پروین: ہاں (جاوید مڑ کر دیکھتا ہے۔ زرینہ کو بے رُخی سے تسلیم کرتا ہے)

زرینہ: مجھے یہاں ہرگز نہیں آنا چاہیے تھا۔

پروین: کیوں نہیں۔ آخر کب تک چھپتی پھرو گی! ابھی ہو جائے سامنا تو اچھا ہے۔

زرینہ: کیا جاوید تم سے کچھ کہہ رہے تھے؟

پروین: ہاں۔ ہاں۔

زرینہ: میرے بارے میں؟

پروین : ظاہر ہے۔
زرینہ : کیا کہہ رہے تھے؟
پروین : کہہ رہے تھے کہ ان کا دل تمھاری طرف سے بالکل صاف ہے۔ تم نے
جو کچھ کیا بہت ٹھیک کیا۔ (جاوید شطرنج کھیلنے لگتا ہے)
زرینہ : یہی بہتر ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو۔ مگر یہ ناممکن ہے۔ انھوں نے ابھی مجھے
بہت سرد مہری سے تسلیم کی۔ اور ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں!
قیصر : (زرینہ سے) جاوید نقوی یہیں ہیں۔
زرینہ : مجھے معلوم ہے۔
قیصر : کیا تم قسم کھا سکتی ہو کہ تمھیں معلوم نہیں تھا کہ وہ یہاں ہوں گے؟
زرینہ : قسم شرعی۔
قیصر : وعدہ کرو کہ تم جاوید سے بات نہیں کرو گی
زرینہ : یہ وعدہ کرتی ہوں۔ مگر اس کا وعدہ نہیں کرتی کہ جاوید بات کریں گے
تو جواب نہیں دوں گی۔ پروین میرے پاس رہو۔
حکیم : (زرینہ سے) آداب بجا لاتا ہوں زرینہ۔
زرینہ : ہائے حکیم صاحب آپ یہاں کہاں۔ یہ ایک سال مجھے کیوں گھورا جا رہا ہے!
حکیم : اس سے بہتر شغل آپ تجویز فرمائیں۔ ایسے موقعے روز روز نہیں آتے۔
زرینہ : کیوں حکیم صاحب کیا میں پہلے سے بہت بدل گئی ہوں؟
حکیم : اپنی احتیاط کیجیے۔ احتیاط۔ میں کل صبح حاضر ہوں گا۔ تاکہ تنہائی میں
یکسوئی سے آپ کو ڈانٹ سکوں۔

زرینہ : ضرور ضرور، ڈانٹیے۔ آپ کی ڈانٹ پر ہی تو مجھے پیار آتا ہے۔ جا رہے ہیں آپ؟

حکیم : تھوڑی دیر میں جاؤں گا۔ بات یہ ہے کہ پچھلے چھ مہینے سے، روزانہ اسی وقت ایک مریضہ کو دیکھنے جاتا ہوں۔ آخر غمخوار و وفادار جو ٹھہرے۔

گوہر : زرینہ آپا آداب بجالاتا ہوں۔

زرینہ : اللہ جانتا ہے اِس وقت تمھیں دیکھ کر خوشی ہوئی۔ مینو نہیں آئیں؟

گوہر : نہیں۔

زرینہ : معاف کرنا بھول گئی کہ مینو اب اس صحبت میں نہیں آسکتی۔

گوہر : کیا بات ہے آپا کچھ مضمحل سی ہو؟

زرینہ : آج جی بہت پریشان ہے۔

گوہر : پریشان ہوں آپ کے دشمن۔ مگر آپ یہاں آئیں کیوں؟

زرینہ : گوہر میاں میں اپنی مالک و مختار نہیں۔ مردہ بدست زندہ کی مثال ہوں۔ پھر چاہتی ہوں کسی نہ کسی شغل میں لگی رہوں۔ تاکہ سوچنے کا وقت نہ ملے۔

گوہر : آپا میری مانیں تو یہاں سے چلی جائیے۔

زرینہ : کیوں؟

گوہر : جاوید کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

زرینہ : جاوید کو تو مجھ سے نفرت ہوگئی ہوگی۔ ٹھیک ہے نا؟

گوہر : ہرگز نہیں، وہ تو اب بھی تمھارے شیدائی ہیں۔ ذرا دیکھو تو کس قدر بےچین ہیں! ذرا چہرہ دیکھنا کتنا تمتمارہا ہے معلوم ہوتا ہے اپنے آپے میں نہیں نہ جانے کیا کر بیٹھیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اِن میں اور قیصر میں نہ

بٹن جائے۔ خدا کے واسطے کوئی بہانہ کر کے یہاں سے چلی جایئے۔

زرینہ: اگر یہی مناسب ہے تو میں چلی جاتی ہوں (کھڑی ہو جاتی ہے)

قیصر: (قریب آکر) کہاں چلیں؟

زرینہ: گھر جاؤں گی۔ میری طبیعت بگڑ رہی ہے۔

قیصر: زرینہ تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم اچھی خاصی ہو صرف جاوید کی وجہ سے جانا چاہتی ہو۔ یاد رکھو میں ان صاحب کی خاطر کوئی محفل چھوڑ کر نہیں جا سکتا اور نہ جاؤں گا۔ ہم یہیں رہیں گے، بیٹھ جایئے۔

پروین: آؤ جاوید تاش کھیلو (تاش لاتی ہے) بد کر کھیلیں گے۔ دس روپے بازی۔

جاوید: ضرور (تاش پھینٹتا ہے) کاٹو۔

پروین: (کاٹتی ہے) دُگی

جاوید: (تاش بانٹتا ہے ایک پتہ پروین کے سامنے کھولتا ہے ایک اپنے سامنے۔ پانچ سات پتوں کے بعد دُگی جاوید کے سامنے کھلتی ہے) دُگی۔ لائیے دس روپے۔ (پروین دس روپے دیتی ہے۔ جاوید پھر تاش پھینٹتا ہے) کاٹیئے۔ دہلا (تاش بانٹتا ہے دس بارہ پتوں کے بعد دَہلا پھر جاوید کے سامنے کھلتا ہے) دَہلا لائیے دس روپے (پروین دس روپے دیتی ہے جاوید پھر تاش پھینٹتا ہے)

الماس: (باآواز بلند) بھئی آج منڈئے میں کونسا کھیل دکھایا جا رہا تھا؟

قیصر: آرزو کا خون۔

جاوید: (تاش پھینٹتے ہوئے) ایک بے وفا عورت کا قصہ ہے جو اپنے عاشق کو

دھوکا دیتی ہے۔ (تاش پروین کے سامنے کر کے) کا ٹیے۔ بادشاہ۔ (تاش بانٹتا ہے۔ بادشاہ جاوید کے سامنے کھلتا ہے)

پروین: اللہ کیا سب بازیاں تمہیں جیتے چلے جاؤ گے؟ (روپے دیتی ہے جاوید تاش پھینٹتا ہے)

الماس: بے وفا عورت کا قصہ!

پروین: ایسی کونسی انوکھی بات ہے؟

انیسہ: تو آپ کا مطلب ہے کہ ایسا قصہ سچ نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ایسی عورتیں ہی نہیں ہوتیں جو اپنے عاشقوں کو دھوکا دیتی ہوں!

جاوید: پروین کاٹو (پروین کاٹتی ہے) بیگم (تاش بانٹتا ہے) انیسہ یہ مجھ سے پوچھیے میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ ایسی عورتیں ہوتی ہیں اور ضرور ہوتی ہیں۔

پروین: دیکھو دیکھو تمہاری بیگم نکل گئی۔ لاؤ دس روپے (جاوید دس روپے دیتا ہے) وہ تو نکلتی ہی (پروین تاش پھینٹتی ہے)

انیسہ: جاوید کہاں ہوتی ہیں ایسی عورتیں؟

جاوید: ہر جگہ۔ اب بازی پچاس کی ہوگی۔

الماس: مگر سب عاشق بھی تو ایک سے نہیں ہوتے!

جاوید: نہ سب عورتیں ایک سی ہوتی ہیں۔

پروین: (تاش بڑھا کر) کاٹیے (جاوید کاٹتا ہے) تگی (پروین بانٹتی ہے)

گوہر: کیا کر رہے ہو سنبھل کر کھیلو۔ تم بہت گہرے میں اتر رہے ہو۔

جاوید: (پروین تاش پھینٹتی ہے) میں اس کہاوت کو پرکھنا چاہتا ہوں کہ جب میں

جیت تو محبت میں ہار۔ یہ لو یہ رہی تگی۔ لائیے پچاس روپے۔

(پروین پچاس روپے دیتی ہے)

گوہر: جس رفتار سے تم جیت رہے ہو اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محبت میں سرے سے ہارے ہوئے ہو!

جاوید: (تاش پھینٹتا ہے) چاہتا ہوں بہت سارو پیہ جیت لوں اور پھر جاکر چین سے علاقے میں رہوں۔ پروین کاٹو۔

الماس: کیا علاقے میں اکیلے ہی جاؤ گے یا کوئی اور بھی ہوگا؟

جاوید: کاٹو (پروین کاٹتی ہے) اٹھا (جاوید تاش بانٹتا ہے) نہیں الماس اکیلے کیوں اُن کے ساتھ جاؤں گا جن کے ساتھ پہلے گیا تھا اور جو مجھے چھوڑ کر چلدی تھیں۔ میں مالدار ہو جاؤں تو شاید نہ چھوڑیں۔ یہ رہا اٹھا لاؤ پچاس روپے نکالو (پروین روپے دیتی ہے)

گوہر: بکے چلے جاؤ گے۔ دیکھتے نہیں غریب کی صحت کا کیا حال ہے!

جاوید: آج کے ناٹک کی کہانی بہت دلچسپ تھی (تاش پھینٹتا ہے) مگر کہانی کے آخر میں ایک صاحب مودار ہوتے ہیں، مالدار، عاشق مزاج اور ہیروئن کو لے اڑتے ہیں۔

قیصر: جاوید صاحب منہ سنبھال کر گفتگو فرمائیے ورنہ

جاوید: ورنہ آئیے تاش میں قسمت آزمائیے۔

زرینہ: (قیصر سے) اگر تم نے نقوی صاحب سے کوئی جھگڑا مول لیا تو میں تمھیں چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔

جاوید: قیصر صاحب. میدان سے مت ہٹیے. آیئے کھیلئے بازی ایک ہزار کی ہوگی۔
قیصر: جوئے میں آپ کی خوش نصیبی دیکھ کر آپ سے کھیلنے کو جی چاہتا ہے میں خوب جانتا ہوں کہ آج کی بٹوری ہوئی دولت آپ کس مصرف میں لانا چاہتے ہیں! کھیلئے شاید آپ کی آمدنی میں اضافہ ہو جائے۔ (دونوں تین چار بازیاں کھیلتے ہیں۔ جاوید متواتر جیتتا ہے کھیل کے دوران میں گفتگو ہوتی رہتی ہے)
انیسہ: لائیے قیصر صاحب۔ ایک ہزار کا نوٹ نکالئے (نوٹ نکالکر جاوید کو دیتا ہے)
الماس: اب کی دفعہ قیصر جیتیں گے۔
پروین: جاوید پھر جیت گئے۔
زرینہ: میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ ہائے میرے اللہ اب کیا ہوگا!
نوکر: (الماس سے) حضور خاصہ چُن دیا گیا ہے۔
جاوید: (نوٹ سمیٹتے ہوئے) جناب عالی اور کھیلئے گا؟
قیصر: نہیں اب نہیں۔
الماس: (جاوید کا بازو دباتے ہوئے) پیارے تم بہت خوش نصیب ہو۔
جاوید: مجھے جیتتے ہوئے دیکھکر تمہاری محبّت میں ہمیشہ اضافہ ہو جایا کرتا ہے۔
قیصر: (دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے) زرینہ تم چلوگی؟ (سب جاتے ہیں۔ زرینہ قیصر اندر پروین رہ جاتے ہیں)
زرینہ: ابھی نہیں مجھے پروین سے کچھ کام ہے۔ آپ چلئے۔
قیصر: اگر تم دس منٹ کے اندر اندر نہ آئیں تو میں خود واپس آکر تمہیں لیجاؤنگا۔

خبردار کئے دیتا ہوں!

زرینہ: ہاں ہاں۔ مگر اِس وقت جائیے (پروین سے) میں تمھیں حسینِ مظلوم کا واسطہ دیتی ہوں تم جلدی سے جاکر جاوید کو بلا لاؤ۔ میری طرف سے ہاتھ جوڑ کر کہنا۔ میری بات سن لیں آکر۔

پروین: اگر وہ انکار کریں تو؟

زرینہ: انھیں مجھ سے اس قدر نفرت ہے کہ وہ اِس کے اظہار کے لئے موقع کی تلاش میں ہوں گے (پروین جاتی ہے)

زرینہ: معلوم ہوتا ہے آج دل دھڑک دھڑک کر پھٹ جائیگا۔

جاوید: (آتا ہے) آپ نے خاکسار کو یاد فرمایا؟

زرینہ: جاوید میں آپ سے ایک ضروری بات کہنا چاہتی ہوں۔

جاوید: ارشاد بندہ ہمہ تن گوش ہے۔ اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش فرماتی ہونگی؟

زرینہ: نہیں۔ اِس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ ماضی کی گفتگو نہ کریں۔

جاوید: واقعی وہ آپ کے لئے بڑا سنگین زمانہ تھا۔

زرینہ: مجھے کچھ کے لگانے کی کوشش نہ کیجئے۔ میں جو کچھ کہنا چاہتی ہوں، اُسے دل و دماغ صاف کرکے سُنئے۔ لائیے اپنا ہاتھ لائیے۔

جاوید: (پیچھے ہٹ کر) بیگم صاحبہ یہ ناممکن ہے۔ اگر آپ نے مجھے صرف یہ کہنے کے لئے بلایا تھا تو ———— (جانے لگتا ہے)

زرینہ: ہائے کسی کے خواب میں بھی یہ خیال آسکتا تھا کہ ایک دن آپ مجھے

اپنا ہاتھ دینے سے انکار کر دیں گے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ جاوید برائے خدا آپ جتنی جلد ہی ہو سکے لکھنؤ سے ایک بار پھر چلے جائیے۔

وید: میں لکھنؤ سے چلا جاؤں، کیوں؟

ینہ: اپنے والد کے پاس چلے جائیے۔

وید: کوئی وجہ؟

ینہ: قیصر آپ کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کے دشمنوں پر کوئی آنچ آئے۔

وید: آپ مجھے اِس بات پر آمادہ کر رہی ہیں کہ میں اپنی جان بچانے کی خاطر یہاں سے فرار ہو جاؤں۔ آپ مجھے بزدل بننے کا مشورہ دیتی ہیں۔ آپ سی عورت کوئی دوسرا مشورہ دے بھی کیسے سکتی ہے۔

ینہ: جاوید آپ کو اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ایک مہینے سے مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ مجھے اِس کرب نے اِس قابل نہیں رکھا کہ میں آپ سے کچھ کہہ سن سکوں۔ میرا مرض دم بدم بڑھتا جا رہا ہے۔ میں آپ کو اپنی گزشتہ محبت اور آئندہ مشکلات کا واسطہ دے کر کہتی ہوں۔ جاوید میں آپ کو آپ کی والدہ اور ہمشیرہ کی قسم دیتی ہوں کہ آپ مجھ سے دور چلے جائیے۔ اپنے والد کے پاس اگر ممکن ہو سکے تو میرا نام تک بھول جائیے۔

وید: میں جانتا ہوں۔ بیگم صاحبہ کہ آپ اپنے عاشق کی خاطر جو آپ کی تقدیر کا ضامن ہے۔ بیحد پریشان ہیں۔ میں اُسے ہاتھ کے ایک اِدنے سے

اشارے سے ختم کر سکتا ہوں۔ مگر خیال آتا ہے کہ آپ کا سارا مستقبل خراب ہو جائے گا۔

زرینہ: جاوید آپ کی جان خطرے میں ہے؟

جاوید: مجھے اپنی جان کی پروا نہیں۔ جب آپ نے مجھے یہ لکھا کہ جاوید مجھے بھول جاؤ میں کسی دوسرے کی داشتہ بن چکی ہوں تو کیا اس وقت آپ کو میری جان کی پروا ہوئی۔ اگر میں اِس صدمے سے مر نہیں گیا تو صرف اِس لیے کہ مجھے اپنے رقیب روسیاہ سے بدلہ لینا تھا۔ آپ اِس خیال میں نہ رہیئے گا کہ آپ میرا دل توڑ دیں گی اور میں آپ کو اور آپ کے عاشق کو زندہ چھوڑ دونگا۔ جی نہیں یہ آپ کا خیال خام ہے۔ میں لکھنؤ اِسی مقصد سے آیا ہوں کہ یا قیصر زندہ رہیں گے یا میں۔ چاہے اِس میں آپ کی جان کیوں نہ چلی جائے۔ عباس علمدار کی قسم کھاتا ہوں کہ میں مردود کی جان لے کر رہوں گا۔

زرینہ: قیصر بے قصور ہیں۔

جاوید: میرے لئے قیصر کا اتنا ہی قصور کافی ہے کہ آپ انھیں چاہتی ہیں۔

زرینہ: آپ کا دل جانتا ہے کہ مجھے قیصر سے محبت نہیں۔ میں ایسے شخص کو کبھی نہیں چاہ سکتی۔

جاوید: تو پھر آپ نے اپنے کو اُن کے حوالے کیونکر کر دیا؟

زرینہ: یہ مت پوچھیے۔ میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔

جاوید: اگر آپ نہیں بتا سکتیں تو مجھ سے سُنئے کہ آپ نے اپنے آپ کو اُن کے سپرد کیوں کیا۔ اِس لئے کہ آپ کے سینے میں دل نہیں، اِس لئے کہ آپ بیوفا

ہیں۔ اس لئے کہ آپ کی محبت بکاؤ ہے جو سب سے زیادہ دام لگائے اسے مل سکتی ہے۔ جب میری محبت کی خاطر قربانی کا وقت آیا تو آپ کی ہمت نے جواب دیدیا۔ آپ کی اصلی فطرت ابھر آئی۔ جس شخص نے آپکی خاطر عزیز و اقارب چھوڑے، اس دنیا کو ٹھکرا دیا اس شخص کی قیمت آپکی نظر میں آپکے جواہرات آپکے اس گلے کے ہار سے آپکے ساز و سامان سے کم نکلی۔

زرینہ: یہ سب درست ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ میں ایک بدنام اور آوارہ عورت ہوں جس نے تم سے کبھی محبت نہیں کی جس نے تمھیں دھوکا دیا۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ میں بدنام ہوں ناقابلِ اعتبار ہوں آپکے لئے اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ مجھے بھول جائیں۔ میری خاطر نہیں اپنی اور اپنے چاہنے والوں کی خاطر اپنی جان کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں، جاوید آپ یہاں سے چلے جائیے۔ لکھنؤ چھوڑ دیجئے۔

جاوید: میں تیار ہوں۔ مگر ایک شرط پر۔

زرینہ: مجھے سب شرائط منظور ہیں۔

جاوید: آپ میرے ساتھ چلیں گی۔

زرینہ: ناممکن!

جاوید: ناممکن!؟

زرینہ: میرے مولا میری مدد کیجیو۔

جاوید: (دروازے کی طرف لپکتا ہے) زرینہ میرا دماغ چل گیا ہے۔ میں دیوانہ ہو گیا ہوں نہ جانے کیا کر بیٹھوں۔ مجھے بدنامی کی پروا نہیں۔ میرے اللہ میں نے

یہ کیوں سمجھ لیا تھا کہ مجھے جذبۂ نفرت تمہاری طرف کھینچ لا رہا ہے۔ وہ میری غلط فہمی تھی۔ مجھے محبت نے ایک بار پھر تمہارے قدموں میں لا ڈالا۔ لازوال محبت مگر وہ قابلِ نفرت محبت۔ جسے ذلت اور ناکامی نے تیز تر کر دیا ہے میں اپنے پر ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں کہ میں نے تمہیں کیوں چاہا۔ پشیمانی کا ایک لفظ کہہ دو زرینہ تقدیر کو الزام دو۔ اپنی کمزوری کو ذمہ دار گردانو۔ کچھ کہہ دو میں سب کچھ بھول جاؤنگا۔ میں سب کچھ معاف کر دوں گا۔ مجھے قیصر سے کیا مطلب۔ اب مجھے تو اُس سے اِس لئے نفرت ہے کہ تم اُسے چاہتی ہو۔ بس اتنا کہہ دو کہ تم کو مجھ سے محبت ہے۔ میں مطمئن ہو جاؤنگا۔ ہم لکھنؤ چھوڑ دینگے۔ ہم دونوں یہاں سے دُور بہت دور چلے جائینگے۔ جہاں صرف ہم دونوں ہونگے اور ہماری محبت۔ ہم ماضی کو بھول جائینگے۔

زرینہ: جو زندگی آپ مجھے دینا چاہتے ہیں اُس کے ایک لمحہ کی خاطر میں اپنا سب کچھ قربان کر سکتی ہوں۔ مگر مجبور ہوں۔

جاوید: پھر!

زرینہ: میرے اور آپ کے درمیان ایک خلیج حائل ہے۔ ہم دونوں خوش نہیں رہ سکتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت نہ رہے مجھے بھول جائیے جاوید۔ اور خدا کے واسطے یہاں سے چلے جائیے میں وعدہ کر چکی ہوں۔

جاوید: کس سے؟

زرینہ: اُس سے جسے مجھ سے ایسا وعدہ لینے کا حق تھا۔

جاوید: (طیش میں آکر) قیصر سے؟

زرینہ: ہاں!

جاوید: (زرینہ کے دونوں ہاتھ تھام کر) قیصر حسین میرا خوش بخت رقیب! آپ اگر صرف یہی کہہ دیں کہ آپ کو قیصر سے محبت ہے تو میں چلا جاؤں گا۔

زرینہ: اگر یہی بات ہے تو مجھے قیصر سے محبت ہے (جاوید زرینہ کو دھکا دے کر گرا دیتا ہے۔ مارنے کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے۔ پھر دوڑ کر دروازے پر جاتا ہے)

جاوید: (چیخ چیخ کر) آیئے سب صاحبان اندر آیئے۔

زرینہ: یہ کیا کر رہے ہیں آپ! (سب اندر آتے ہیں)

جاوید: آپ صاحبان اِس عورت کو دیکھ رہے ہیں؟

سب: زرینہ سلطان!

جاوید: جی زرینہ سلطان۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اِس عورت کو جب تک مجھ سے محبت رہی یہ اپنا زیور اور سامان فروخت کرتی رہی اور اس نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کیا کیا۔ میں نے ایک ذلیل حرکت کی اور اِسے اِس کی قربانی کا معاوضہ نہیں دیا۔ مگر اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں اب چکائے دیتا ہوں یہ سارا قرضہ۔ آپ صاحبان گواہ رہیں کہ میں اِس عورت کا قرض دار نہیں۔ (روپیہ نکال کر زرینہ کے منہ پر پھینکتا ہے)

زرینہ: یا میرے مولا۔ (دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیتی ہے)

قیصر: کمینہ بزدل (خنجر نکال کر جاوید کی طرف بڑھتا ہے۔ جاوید اپنا خنجر نکال لیتا ہے دونوں مقابلے پر ڈٹ جاتے ہیں۔ لوگ بیچ بچاؤ کرتے ہیں)

(پردہ)

چوتھا ایکٹ

زرینہ کا پلنگ کمرہ۔ بہت معمولی سجاوٹ۔ زرینہ کھٹولی پر سو رہی ہے
نورالحسن زمین پر لیٹا ہے۔ زرینہ کے سرہانے شمع جل رہی ہے۔ صبح
کا وقت ہے۔ کھڑکی میں سے ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی ہے۔

نورالحسن: (سر اُٹھا کر زرینہ کو دیکھتا ہے) معلوم ہوتا ہے میری آنکھ لگ گئی تھی کہیں زرینہ نے پکارا تو نہیں! (پھر دیکھتا ہے) نہیں سو رہی ہیں۔ اُف وہ صبح ہو گئی شمع گل کر دوں (شمع بڑھاتا ہے)

زرینہ: (سر اُٹھائے بغیر) انّا دو گھونٹ پانی تو دینا۔

نورالحسن: عید مُبارک ہو زرینہ۔ کہو آج جی کیسا ہے! میں ابھی لایا پانی (صراحی سے پانی انڈیلتا ہے)

زرینہ: (سر اٹھا کر) کون ہے؟

نورالحسن: میں ہوں نورالحسن۔

زرینہ: تم یہاں کیا کر رہے ہو؟

نورالحسن: (پانی دیتے ہوئے) پانی پی لو۔ پھر پوچھ لینا۔ بات یہ ہے کہ میں تیمارداری

بہت اچھی کرتا ہوں۔

زرینہ: لیکن اناّ کہاں ہے؟

نورالحسن: ذرا سو گئی ہیں۔ میں رات گیارہ بجے آیا کہ دیکھوں تم کیسی ہو تو انا غریب تمہاری پٹی تلے بیٹھی اونگھ رہی تھیں۔ مجھے رات کو نیند بہت کم آتی ہے۔ تم نے چونکہ آرام کر لیا تھا۔ میں نے اناّ کو اُن کی کوٹھڑی میں بھجوا دیا۔ بہت تھک رہی تھیں۔ میں خود یہیں فرش پر لیٹ گیا۔ کہو طبیعت کیسی ہے؟

زرینہ: نورالحسن تم بھلا کاہے کو میری خاطر زحمت اُٹھاتے ہو؟

نورالحسن: ساری ساری رات بیٹھ کر ناچ گانا سن سکتا ہوں۔ ہمارے دوست کی خاطر ایک رات جاگ لوں گا تو کیا آفت آجائیگی۔ ایک بات بتاؤں؟

زرینہ: کیا؟

نورالحسن: تم آج کل کچھ پریشان ہو نا؟

زرینہ: کیا مطلب؟

نورالحسن: یہی روپے پیسے کی وجہ سے۔ کل تمہارا مکان دار راستے میں مل گیا تھا اپنے داموں کے لئے آ رہا تھا۔ میں نے اُسی وقت اُس کا حساب صاف کر کے اُسے چلتا کر دیا۔ زرینہ تمھیں پریشان کرتا۔ مگر اس کے علاوہ بھی تو کچھ رقم چاہیئے ہوگی۔ کیا کروں میرے پاس بھی اِس وقت دام نہیں۔ تاش میں بہت ہار گیا۔ پھر عید کے لئے بہت سی خریداری کر لی۔ (زرینہ کے ہاتھ کو پیار کرتا ہے) خدا کرے یہ عید تمھارے لئے مبارک ثابت ہو۔ بہر کیف یہ دو سو کی رقم ہے یہ یہاں رکھے دیتا ہوں (تکیئے کے نیچے رکھتا ہے)

زرینہ : (آبدیدہ ہوکر) نورالحسن تم کس قدر رحمدل ہو۔ دنیا تمھیں ہمیشہ ناکارہ اور نکما سمجھتی رہی۔ اور پھر تم کبھی میرے بہت قریب بھی تو نہیں رہے۔ اس پر تمھیں میرا اس قدر خیال ہے!

نورالحسن : دُنیا اسی کا نام ہے زرینہ۔ جانتی ہو میرا کیا دل چاہتا ہے؟

زرینہ : کیا؟

نورالحسن : آج موسم بہت خوشگوار ہے اور تم ماشاءاللہ خوب نیند بھر کے سو چکی ہو تھوڑا سا آرام اور کرلو۔ پھر دو ڈھائی بجے جب موسم اور بھی پیارا ہو جائیگا تو تمھیں رضائی اوڑھا کر گاڑی میں تفریح کو لے جاؤں گا۔ اب ذرا والدہ کے ہاں عید کے سلام کو جا رہا ہوں۔ دوپہر کا کھانا اُنھیں کے ساتھ کھاؤنگا اور ایک ڈیڑھ تک لوٹ آؤں گا۔ کہو کیا رائے ہے۔ چلوگی؟

زرینہ : ضرور چلوں گی۔ ذرا ہمت کرنے کا سوال ہے۔

نورالحسن : اماں ہمت کی کیا بات ہے اللہ نے چاہا تو تمھاری طبیعت ٹھیک رہیگی (انّا آتی ہے) آؤ انّا زرینہ کے ناشتے کا انتظام کرو۔

زرینہ : رات بہت تھک گئی تھیں انّا؟

انّا : یوں ہی ذرا آنکھ جھپک گئی تھی۔

زرینہ : انّا ذرا کھڑکی تو کھول دو۔ اب تو دھوپ نکل آئی ہوگی۔

انّا : (کھڑکی کھول کر باہر جھانکتی ہے) حضور حکیم صاحب تشریف لا رہے ہیں۔

زرینہ : بیچارے حکیم صاحب کو سب سے پہلے یہیں آنا فرض ہے۔ نورالحسن جاؤ تو دروازہ کھلا چھوڑتے جانا۔ انّا ذرا مجھے سہارا تو دینا اُٹھوں گی۔

انّا : حضور حکیم صاحب مجھ پر چلّائیں گے۔

زرینہ : نہیں۔ میں ذرا بیٹھ کر دیکھتی۔

نورالحسن : زرینہ تو میں چلا۔ دوپہر تک آؤں گا۔ خدا حافظ (جاتا ہے حکیم آتا ہے)

زرینہ : انشاءاللہ (اُٹھنے کی کوشش کرتی ہے انّا اور حکیم سہارا دیتے ہیں) حکیم صاحب عید مبارک ہو۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی عنایتوں کا شکریہ کیونکر ادا کروں انّا ذرا دیکھنا ڈاک تو نہیں آئی؟ (انّا جاتی ہے)

حکیم : ذرا نبض دیکھوں (نبض دیکھتا ہے) کیسی طبیعت ہے؟

زرینہ : اچھی بھی اور بُری بھی۔ جسم پہلے سے بدتر اور روح پہلے سے بہتر حکیم صاحب کیا بتاؤں رات کس قدر کرب تھا۔ ایسا معلوم ہوا کہ اب مری اور تب مری۔ موت سے خوف معلوم ہوا۔ جب کسی رنگ سے سکون نہ ہوا، تو بیچارے مولانا کو بلوا بھیجا۔ غریب بھاگے چلے آئے۔ دُعائے مشکول پڑھی، گھنٹوں بیٹھ کر سمجھاتے رہے تب کہیں جا کر دل ٹھہرا۔ اُن کے جانے کے فوراً بعد نیند آگئی۔ تب کی سوئی سوئی اب اٹھی ہوں۔

حکیم : ماشاءاللہ۔ بہت اچھی چل رہی ہیں آپ۔ اللہ نے چاہا تو تین چار مہینے میں بالکل تندرست ہو جائیں گی۔

زرینہ : شکریہ حکیم صاحب۔ اچھی اچھی باتیں کرنا تو آپ کا فرض ہے۔ جب اللہ میاں نے دروغ گوئی کو گناہِ کبیرہ قرار دیا تو حکیموں کو اس سے مستثنٰی کر دیا اور کھلے بندوں اجازت دی کہ دن میں جتنی بار مریض کو دیکھیں اتنی دفعہ جھوٹ بول سکتے ہیں (انّا کچھ لاتی ہے)

انّا : حضور کے لئے کچھ تحفے آئے ہیں۔

زرینہ : عید کے تحفے۔ ہائے پچھلے سال کس قدر پُر لطف عید گزری تھی۔ کیوں حکیم صاحب وہ ناچ اور گانے کی محفل یاد ہے (پارسل کھولتی ہے) گوہر مرزا نے عقیق کی انگوٹھی بھیجی ہے۔ اچھی ہے اور راجہ صاحب نے جڑاؤ دست بند۔ بیچارے راجہ صاحب۔ اب اگر دیکھیں تو پہچان نہ پائیں (پارسل کھول کر) ایک صاحب نے حبشی حلوا بھیجا ہے۔ حکیم صاحب آپ کے ہاں تو بچے بالے ہوں گے ؟

حکیم : ہاں ہیں تو۔

زرینہ : یہ حلوا میری طرف سے اُن کیلئے لیتے جائیے۔ انّا بس اور کچھ نہیں تھا ؟

انّا : حضور ایک خط ہے (دیتی ہے)

زرینہ : کس کا ہے (خط کھولتی ہے) انّا یہ مٹھائی حکیم صاحب کے ہاں بھجوا دینا۔ (دیتی ہے۔ خط پڑھتی ہے) "پیاری زرینہ آپا تسلیم۔ پچھلے دنوں کئی بار حاضر ہوئی مگر کسی نے آپ تک نہ پہنچنے دیا۔ خیر۔ اللہ میاں آپ کو صدقہ پنجتن کا جلدی سے تندرست کرے۔ آج میری زندگی کا مبارک ترین دن ہے۔ تیسرے پہر نکاح ہے۔ آپ ہی بتائیے کہ گوہر مرزا اس سے اچھی اور کیا عیدی مجھے دیتے۔ ہم نے اس تقریب کے سلسلے میں پانچ سات دوستوں کو بلایا ہے۔ میری اچھی آپا کیا بتاؤں میں آج کتنی خوش ہوں۔ آپ میرے پاس ہوتیں تو آپ کو بھینچ بھینچ کر پیار کرتی۔ ہم دونوں کو امید ہے کہ آپ ضرور آئیں گی۔ عید مبارک ہو۔ آپ کی خوش نصیب مینو" حکیم صاحب آپ کو زحمت نہ ہو تو ذرا کھڑکی کے پٹ بند کر دیجئے۔ بڑی سرد ہوا چلنے لگی۔ اور

ذرا میرا بستہ دیدیجئے۔ (دونوں ہاتھوں سے سر تھامتی ہے۔ حکیم بستہ قلم دوات لاتا ہے) قلم، مجھے قلم چاہیئے (لکھتی ہے)

انّا : (حکیم صاحب سے جو دروازے کی طرف جارہے ہیں) کیا خیال ہے حکیم صاحب؟

حکیم : (مایوسی سے سر ہلا کر) ضعف بہت ہے۔

زرینہ : اچھے حکیم صاحب ذرا اتنا کرم فرمائیے۔ یہ خط دیکھ لیجیے کہ ٹھیک ہے یا نہیں (خط دیتی ہے خود لفافہ لکھتی ہے) بیگم گوہر مرزا۔ ذرا یہ خط راستے میں مینو کے گھر پہنچاتے جائیے (خط لیکر لفافے میں رکھتی ہے۔ لفافہ حکیم کو دیتی ہے) یہ لیجئے شکریہ۔ کہیں بھول نہ جائیے گا۔ اور اگر ہو سکے تو دوپہر میں تشریف لائیے (حکیم جاتا ہے)

زرینہ : انّا ذرا کمرہ تو ٹھیک کر لو (دستک) کوئی ہے جانا دیکھنا کون ہے؟ (انّا جاتی ہے)

انّا : (آتی ہے) پروین بیگم ہیں۔ آپ سے کچھ بات کرنی چاہتی ہیں۔

زرینہ : تو بلا لاؤ (انّا جاتی ہے)

پروین : (آتی ہے انّا پیچھے پیچھے ہے) میری پیاری زرینہ کہو کیسی طبیعت ہے آج؟

زرینہ : اللہ کا شکر ہے (انّا کمرہ درست کرتی ہے)

پروین : ذرا دیر کو انّا کو یہاں سے ہٹادو۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔

زرینہ : انّا ابھی یہ کمرہ رہنے دو۔ پھر کر لینا۔ فی الحال دوسرا کمرہ درست کر لو۔

پروین : (انّا کے جانے کے بعد) اِس وقت میں ایک ضروری کام سے آئی تھی۔

زرینہ : کہو۔

پروین : کچھ روپے ہوں گے تمھارے پاس؟

زرینہ : تمھیں تو خود خبر ہے کہ ان دنوں میرا ہاتھ تنگ ہے۔

پروین : آج عید کی وجہ سے دو سو روپے کی سخت ضرورت تھی۔ اس مہینے کے آخر میں لوٹا دوں گی۔

زرینہ : تھوڑے سے دام رکھے ہیں ——— اس مہینے کا آخر!

پروین : تو چھوڑو کچھ اور بات کرو۔

زرینہ : میرا صندوقچہ کھول کر دیکھنا تو کتنی رقم ہے؟

پروین : (بیٹھے بیٹھے) پانچ سو روپے۔

زرینہ : اچھا تو تم دو سو روپے لے لو۔ باقی وہیں چھوڑ دو۔

پروین : تو کیا تین سو تمھاری ضرورت کے لئے کافی ہوں گے؟

زرینہ : اللہ مالک ہے۔

پروین : (جاکر روپے لیتی ہے) جیسی تم نے اس وقت میری مشکل کشائی کی مولا تمھاری مشکل کشائی کریں۔

زرینہ : جو ہے سو حاضر ہے۔

پروین : تو اب میں چلوں۔ پھر آؤں گی۔ آج تم ماشاءاللہ بہتر لگ رہی ہو۔

زرینہ : میں اچھی ہوں۔

پروین : تھوڑے دنوں بعد جب جاڑا کم ہو جائیگا تو علاقے میں چلیں گے۔ تمھیں بہت فائدہ ہوگا۔

زرینہ : اللہ نے چاہا تو ضرور چلیں گے۔

پروین : (جاتے ہوئے) بھئی بہت بہت شکریہ۔ خدا حافظ۔

زرینہ : خدا حافظ ذرا انا کو بھیجتی جانا۔

پروین: (جاتی ہے) اچھا۔

انا: (اندر آتی ہے) پھر آئی ہوں گی پیسے مانگنے! منھ لگائی ڈومنی۔

زرینہ: ہاں۔

انا: اور آپ نے ضرور دیدئے ہوں گے!

زرینہ: پیسہ جان کا صدقہ ہے اور جان محبت کا صدقہ (ہنستی ہے) اس وقت اُس کو ضرورت تھی۔ دام تو ہمیں بھی چاہیئے ہوں گے۔ پر کوئی بات نہیں۔ لو یہ دست بند اور یہ انگوٹھی۔ جاؤ جا کر انھیں فروخت کر کے روپے لے آؤ۔ جاؤ جلدی سے واپس آنا۔

انا: میں چلی جاؤں گی تو حضور بالکل اکیلی ہو جائیں گی!

زرینہ: تھوڑی دیر اکیلا رہنے میں کیا حرج ہے۔ مجھے فی الحال تو تمھاری ضرورت ہوگی نہیں دوسرے تمھیں بہت دیر تھوڑے ہی لگے گی۔ مصدی لال کی دوکان تو تمھیں معلوم ہے۔ پچھلے تین مہینوں میں بیسیوں پھیرا کر چکی ہوں (انا جاتی ہے زرینہ چولی میں سے ایک خط نکال کر پڑھتی ہے) زرینہ سلطان مجھے قیصر اور جاوید کے واقعہ کے حالات معلوم ہوئے۔ جاوید بریلی میں ہفتہ بھر قیام کے بعد ہی چلے گئے تھے۔ مجھے ایک بار پھر شبہ ہوا کہ اس جھگڑے کی اور جاوید کے یوں گھر سے غائب ہو جانے کی ذمہ دار آپ ہیں۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ قیصر جو اب ماشاءاللہ روبصحت ہیں اُن کی زبانی صحیح کیفیت معلوم ہوئی اور اس غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا۔ آپ نے جس عالی ظرفی اور ہمت کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا اُس سے آپ کی صحت پر لازمی طور سے بُرا اثر پڑا ہوگا۔ میں نے

جاوید کو تمام حالات لکھ دیئے ہیں۔ وہ یہاں سے بہت دُور ہیں مگر امید ہے کہ عنقریب آپ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ تاکہ اپنی اور میری طرف سے معافی کے خواستگار ہوں۔ جو زیادتی میں نے آپ کے ساتھ کی میں اُس کا کفارہ دینا چاہتا ہوں۔ خدا کے واسطے آپ اپنی صحت کا خیال رکھیئے آپکی ہمت اور آپ کا ایثار ایک روشن مستقبل کے مستحق ہیں۔ اور خدا کی ذات سے مجھے امید ہے کہ آپ کی دلی مُراد بر آئے گی۔ میری ہمدردیاں میری شفقت اور دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ حامد حسین نقوی"۔ کاش جاوید دو حرف لکھ دیتے۔ کاش میں دو تین مہینے اور زندہ رہ سکتی (اُٹھ کر آئینہ دیکھتی ہے) اُفوہ کس قدر بدل گئی ہوں! (کھڑکی کھولتی ہے) گھروں میں کیسی خوشیاں منائی جا رہی ہیں۔ کیسا حسین بچہ دُور کھڑا ہنس رہا ہے۔ اپنے کھلونے کو ننھے ننھے ہاتھوں سے مضبوط تھامے ہے۔ جی چاہتا ہے جا کر اس بچے کا مونہہ چوم لوں۔

انّا : (اندر آتی ہے میز پر نوٹ رکھتی ہے پھر زرینہ کے پاس آکر) بیگم صاحبہ۔

زرینہ : کیا ہے انّا؟

انّا : آج آپ کی طبیعت بہتر ہے نا!

زرینہ : یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟

انّا : ایک بات بتاتی اگر حضور سکون سے سُنیں۔

زرینہ : ایسی کیا بات ہوگی؟

انّا : ایک خوشخبری۔ مگر بعض دفعہ اچانک خوشی نقصان کرتی ہے۔

زرینہ : خوشی!

انا : حضور۔

زرینہ : جاوید؟ ــــ تم جاوید سے مل کر آئی ہو؟ ــــ جاوید مجھے دیکھنے آرہے ہیں؟ (انا اثبات میں سر ہلاتی ہے زرینہ دروازے کی طرف لپکتی ہے) جاوید! (جاوید اندر آتا ہے۔ شرمسار، پژمردہ اور مضمحل ہے زرینہ اُسے لپٹ جاتی ہے) تم جاوید نہیں ہو سکتے ــــ ناممکن ہے کہ پروردگار مجھ پر اتنا بڑا کرم کرے۔

جاوید : زرینہ میں جاوید ہوں۔ تمھارا پشیمان اور پریشان۔ تمھارا گنہگار جاوید میں اِس قابل نہیں کہ تمھاری چوکھٹ پر قدم رکھ سکوں۔ اگر انا مجھے اس وقت نہ ملتی تو نہ جانے میں کب تک گلی میں کھڑا دعائیں مانگتا اور روتا رہتا۔ اباجان نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کہاں روپوش ہو جاؤں۔ اپنی محبت اور پشیمانی کو کہاں لے جا کر چھپاؤں۔ آٹھ دن سے ہی چوبیسوں گھنٹے سفر کر رہا ہوں۔ ہزار طرح کے بھیانک خیالات میرا پیچھا کرتے رہے ہیں۔ میں نے دور سے تمھارا سیاہ پوش مکان دیکھا تو میرا دل دھک سے رہ گیا کہ نہ جانے میں تمھیں زندہ بھی دیکھ پاؤں گا یا نہیں۔ اگر تم نہ ملتیں تو تمھارا جاوید مر جاتا۔ کیونکہ تمھاری موت کی ذمہ داری اُس پر ہوتی زرینہ مجھ سے کہو کہ تم نے مجھے اور اباجان دونوں کو معاف کر دیا۔

زرینہ : معافی۔ معافی کیسی میری جان۔ قصور تو میرا ہے تمھارا نہیں۔ ساری ذمہ داری میری تھی۔ مگر اور کرتی بھی کیا میں نے یہ سب کچھ تمھاری خوشی کی خاطر کیا۔ اب تو تمھارے ؟ اللہ ہمیں جدا نہ کر سکیں گے۔ جاوید افسوس کہ تم اپنی حسین زرینہ کے پاس واپس نہیں آئے۔ مگر کیا ہوا! ابھی تو میں جوان ہوں۔ چند

ہی روز میں پھر حسین ہو جاؤں گی۔ اب تو میں خوش ہوں۔ تم سب پچھلی باتیں بھول جاؤ گے۔ آج سے ہم اپنی زندگی کا نیا دور شروع کریں گے

جاوید: اب میں تمھیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا۔ میری جان ہم ابھی یہاں سے چلے جائیں گے۔ لکھنؤ چھوڑ دیں گے۔ ابا جان کو تمھاری خوبیوں کا احساس ہے اب وہ بھی تم سے محبت کریں گے۔ انھیں معلوم ہو گیا ہے کہ کیونکر تم ان کے لڑکے کے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوئیں۔ میری بہن کی شادی ہو چکی ہے مستقبل اب ہمارا ہو گا۔

زرینہ: کہے جاؤ جاوید کہے جاؤ تمھارے ہر ہر لفظ کے ساتھ میری روح کو نئی زندگی مل رہی ہے۔ تم میرے لاغر جسم میں تندرستی پھونک رہے ہو۔ آج ہی صبح میں اپنے آپ سے کہہ رہی تھی کہ دنیا کی ایک چیز اور صرف ایک چیز مجھے بچا سکتی ہے۔ مگر اتنی بڑی دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ وہ چیز مجھے مل گئی اور تم آ گئے۔ اب ہم وقت ضائع نہیں کرینگے خاص طور پر جب زندگی تیزی سے میرے سامنے سے گزر رہی ہے میں اسے بیچ راستے میں ٹوک کر ٹھہراؤں گی۔ جاوید جانتے ہو آج کی شادی ہو رہی ہے آج اس کا گوہر مرزا سے نکاح ہے۔ بہت لطف رہے گا۔ ہم بھی چلیں گے۔ دوسروں کی خوشی میں شریک ہونا بھی نعمت ہے۔ پروردگار نے مجھے بھی کتنا حسین تحفہ عیدی میں دیا ہے جاوید ایک بار پھر کہو کہ تمھیں مجھ سے محبت ہے۔

جاوید: مجھے تم سے محبت ہے زرینہ۔ میری زندگی تمھارے قدموں پر نثار ہے۔

زرینہ: (انّا اندر آتی ہے) انّا میری رضائی تو دینا میں باہر جاؤں گی۔
جاوید: انّا تم نے زرینہ کی بہت خدمت کی بہت بہت شکریہ۔
زرینہ: ہم دونوں روز تمھاری باتیں کیا کرتے تھے۔ اور کسی کو تو تمھارا نام بھی لینے کی ہمت نہ تھی۔ انّا ہمیشہ مجھے یقین دلاتی تھیں کہ تم ضرور آؤگے اِن کا کہنا سچ نکلا (لڑکھڑاتی ہے)
جاوید: زرینہ، زرینہ کیا ہوا۔ تم ایک دم سے سفید کیوں پڑ گئیں؟
زرینہ: کچھ نہیں میری جان۔ اتنی اچانک خوشی ایک مایوس اور مغموم دل میں آسانی سے نہیں سمایا کرتی (بیٹھ کر سر پیچھے ڈال دیتی ہے)
جاوید: زرینہ کچھ تو کہو۔
زرینہ: (ذرا سنبھل کر) گھبرانے کی بات نہیں۔ تم تو جانتے ہو کہ مجھے یہ نقاہت کے دورے کمبخت ہمیشہ سے پڑتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ دیکھو میں مسکرا رہی ہوں۔ میں اچھی ہو رہی ہوں۔ یہی کیا کم معجزہ ہے کہ میں زندہ ہوں۔ یہی حیرت میرے لئے بہت کافی ہے۔
جاوید: (زرینہ کا ہاتھ تھام کر) تم کانپ رہی ہو۔
زرینہ: کوئی بات نہیں — انّا — انّا جلدی سے میری رضائی لاؤ۔
جاوید: (گھبرا کر) یا علی، یا علی
زرینہ: (رضائی اوڑھ کر چلنے کی کوشش کرتی ہے۔ غصّے میں رضائی اتار کر پھینکتی ہے) نہیں چلا جاتا (کھٹولی پر گر جاتی ہے)
جاوید: انّا جلدی سے جا کر حکیم صاحب کو بلا لاؤ۔

زرینہ: اُن سے کہنا جاوید لوٹ آئے ہیں۔ اب زرینہ زندہ رہنا چاہتی ہے (آنا جاتی ہے) جاوید اگر تمھاری واپسی مجھے نہ بچا سکی تو پھر دُنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں بچا سکے گی۔ جلدی ہو یا دیر سے انسان کی موت کی وہی وجہ ہوتی ہے جو اُسکی زندگی کی۔ میں محبت میں زندہ رہی۔ محبت ہی میرا خاتمہ ہے۔

جاوید: میں تمہیں اُسی محبت کا واسطہ دیتا ہوں کہ ایسی باتیں نہ کرو۔ تم زندہ رہو گی۔ تمہیں زندہ رہنا ہوگا۔

زرینہ: آؤ میری جان آؤ میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ اور جو کچھ میں کہوں اُسے غور سے سُنو۔ تمہارے آنے کے بعد میں نے جھنجلا کر موت سے مقابلہ کرنا چاہا مگر افسوس کہ موت بہت ضروری چیز ہے۔ میں اِس کی احسان مند ہوں کہ اِس نے تمہارے آنے کا انتظار کیا۔ اگر میری موت یقینی نہ ہوتی تو کیا تمہارے والد تمہیں میرے پاس آنے دیتے؟

جاوید: یہ نہ کہو زرینہ میں دیوانہ ہو جاؤں گا۔ مجھ سے یہ کہو کہ تم مرو گی نہیں۔ یہ کہو تمہیں موت میں یقین نہیں۔ تم مر نہیں سکتیں۔ یہ کہو تم مرنا نہیں چاہتیں۔

زرینہ: اگر نہ بھی چاہوں گی تو بھی مجھے اس کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔ مرضی مولا یہی ہے۔ اگر میں نیک اور پاکدامن ہوتی تو شائد تمہاری دنیا کو چھوڑ کر جانے پر میں آنسو بہاتی۔ میرا مستقبل روشن ہوتا اور مجھے زندگی کا حق دیتا۔ اپنی موت کے بعد اب جو کچھ میں تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گی وہ پاک ہوگا۔ زندہ رہوں گی تو میری محبت پر ہمیشہ دھبہ رہے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ کے سب کاموں میں مصلحت ہے۔

جاوید: (کھڑا ہو جاتا ہے) میرا دل پھٹ جائیگا زرینہ۔

زرینہ: کیا یہ چاہتے ہو کہ میں تمھیں ہمّت کی تلقین کروں؟ دیکھو سنگھار میز پر صندوقچی میں میری ایک جڑاؤ تصویر رکھی ہے۔ اب اُسے تم اپنے پاس رکھو تاکہ میں تمھیں یاد رہوں۔ اگر کبھی اِسے مٹا دینے کی ضرورت پیش آئے تو دل دکھائے بغیر اِسے ختم کر دینا۔ چونکہ صحیح بات یہی ہوگی۔

جاوید میری بات سن رہے ہو؟

مینو: (انّا، مینو اور گوہر مرزا آتے ہیں۔ مینو گھبرائی ہوئی ہے۔ مگر زرینہ کو مسکراتا اور جاوید کو اُس کی پائنتی بیٹھے دیکھ کر ہمت کرتی ہے) اوئی زرینہ آپا آپ نے تو لکھا تھا کہ آپ کے دشمن مر رہے ہیں۔ آپ تو اللہ کے فضل سے اچھی بھلی ہیں۔ اور بیٹھی ہنس رہی ہیں!

جاوید: (گوہر سے آہستہ سے) گوہر مرزا میں بیحد پریشان ہوں۔

زرینہ: میں مر رہی ہوں مگر خوش ہوں۔ میری خوشی میری موت کی پردہ دار ہے۔ تو اب تم شادی شدہ خاتون ہو کتنی حسین بات ہے۔ خدا مبارک کرے۔ تمھاری زندگی کا پہلا دور جب اتنا خوشگوار تھا تو دوسرا لازمی طور پر اِس سے زیادہ خوشگوار ہوگا۔ کبھی ہمیں بھی یاد کر لیا کرنا جاوید لاؤ اپنا ہاتھ مجھے دو۔ یقین کرو میری جان کہ مرنا کچھ مشکل نہیں (نورالحسن آتا ہے) لو نورالحسن مجھے لیجانے کے لئے آپہنچے۔ تمھیں دیکھ کر یاد آیا نورالحسن ورنہ اپنی خوشی میں مجھے تو تمھارا خیال بھی نہ رہا تھا۔ مسرت ہمیشہ ناشکری ہوتی ہے۔ جاوید نورالحسن نے میری بڑی

خدمت کی۔ اے امی دیکھنا کیسی عجیب بات ہے (اُٹھ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ جاوید کا ہاتھ زرینہ کے ہاتھ میں ہے)

جاوید: کیا بات ہے؟

زرینہ: میری سب تکلیف جاتی رہی۔ معلوم ہوتا ہے میری رگ رگ میں ایک نئی زندگی دوڑ رہی ہے۔ میں بالکل اچھی ہو گئی۔ اتنی اچھی میں کبھی ہوئی ہی نہیں۔ میں زندہ رہوں گی۔ میں اچھی ہو گئی (کھٹولی پر گر پڑتی ہے)

جاوید: زرینہ۔ زرینہ (چلاتا ہے اپنا ہاتھ بڑی مشکل سے زرینہ کے ہاتھ سے چھڑاتا ہے۔ خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹتا ہے) مر گئی! (گوہر کے پاس جا کر) اب میں کیا کروں گا؟

گوہر: زرینہ کو تم سے کس قدر محبت تھی۔

(پردہ)

ALLAMA IQBAL LIBRARY
69369

J & K UNIVERSITY LIB.
K. DIVISION
Acc. No. 69369
Date

ALLAMA
IQBAL LIBRARY
UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN